کمیٹی سے متعلق جائز و ناجائز صورتوں پر مشتمل دار الافتاء اہلسنت کے فتاوی جات بنام

اَلتَّکْیِیْفُ الْفِقْهِیُّ لِنِظَامِ الْجُمْعِیَّاتِ
فِی الْفِقْهِ الْاِسْلَامِی

کمیٹی کے شرعی اَحکام

تالیف

ابو الفیضان مفتی عرفان احمد مدنی مدظلہ العالی

(دعوت اسلامی)
دار الافتاء اہلسنت
DARUL IFTA AHLESUNNAT

پیش کش: مجلسِ اِفتاء (دعوتِ اسلامی)

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
1	مقدمہ	4
2	باب اول بی سی (کمیٹی) کی شرعی حیثیت اور کمیٹی کا تعین	11
3	کمیٹی ڈالنے کی شرعی حیثیت، نیز کمیٹی جمع کرنے والے کے پاس جمع شدہ رقم قرض ہے یا امانت؟	12
4	کمیٹی کی جمع شدہ رقم کا استعمال کرنا کیسا؟	15
5	کمیٹی کے نمبرز کا تعین کیسے ہو؟	19
6	باب دوم کمیٹی چھوڑنے، اس کی شرائط و ضوابط اور احکام	24
7	درمیان سے کمیٹی چھوڑنا کیسا؟	25
8	کمیٹی چھوڑی، تو اس میں کٹوتی کرنا کیسا؟	29
9	کمیٹی چھوڑنے پر آخر میں رقم دینے کی شرط لگانا کیسا؟	31
10	کمیٹی لیٹ جمع کروانے پر مالی جرمانہ لگانا کیسا ہے؟	35
11	شروع میں کمیٹی لینے والے کی کمیٹی سے 5 فیصد کٹوتی کرنا	38
12	باب سوم فی زمانہ رائج مختلف کمیٹیوں کی تفصیل اور ان کے احکام	42
13	فوتگی وغیرہ کے اخراجات کے لیے ڈالی جانے والی کمیٹی	43

14	عمرہ کمیٹی	47
15	قرعہ اندازی کے ذریعے عمرہ کمیٹی کے جواز کی صورت	52
16	فلاحی عمرہ کمیٹی	54
17	باہمی امداد کے لیے جمع کی گئی کمیٹی	62
18	بینک میں ڈالی جانے والی کمیٹی کی ایک صورت	67
19	بولی والی کمیٹی کا حکم؟	69
20	لکی کمیٹی کا حکم؟	74
21	سونے کی کمیٹی ڈالنا کیسا؟	82
22	سونے کی کمیٹی ڈالنے کی ایک ناجائز صورت	88
23	باب چہارم کمیٹی کے متفرق احکام	92
24	کمیٹی کی رقم چوری ہو جائے، تو کیا حکم ہو گا؟	93
25	کمیٹی جمع کرنے والا بھاگ جائے، تو ذمہ دار کون؟	97
26	جس کی کمیٹی نکلے، اس کا کھانا کھلانا کیسا؟	101
27	کمیٹی نکلنے پر کچھ رقم نقد دینا اور کچھ کے بدلے سامان دینا کیسا؟	104
28	مسجد کے فنڈ سے کمیٹی ڈالنا کیسا؟	109
29	کمیٹی میں جمع کروائی جانے والی رقم پر زکوۃ کا حکم	115
30	کمیٹی کی رقم سے جعلی نوٹ نکلا تو ذمہ دار کون؟	117
31	رقم کے بدلے کسی اور کو اپنی کمیٹی دینا کیسا؟	122

مقدمہ

الحمد للہ الذی احل لنا الطیبات وحرم علینا الخبائث

والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

امابعد:

مال انسانی زندگی کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ہے، جس کے بغیر دنیاوی معاملات کی تکمیل ممکن نہیں، انسان اپنی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مال جمع کرنے کے مختلف طریقے اپناتا ہے، جس میں بسا اوقات حلال و حرام کی تمیز کو بھی بھول جاتا ہے، حالانکہ مال کو جمع کرنے میں اس کی حلت و حرمت کو ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے، کیونکہ اس کا تعلق صرف ایک فرد کی معیشت سے نہیں، بلکہ پورے معاشرتی نظام سے ہے کہ اگر مال جمع کرنے میں حرام طریقوں کا انتخاب کیا جائے، تو اس سے معاشرے میں بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں، جو برائی کے گہرے اثرات چھوڑتی ہیں۔

اسی وجہ سے شریعت مطہرہ نے کئی مقامات پر ہمیں حلال و حرام کی تمیز، مال جمع کرنے کے حلال ذرائع (مثلاً تجارت) کا انتخاب کرنے، حرام ذرائع (سود، جوا، رشوت) سے بچنے کی تلقین کی ہے، تاکہ معاشرے میں ایک پاکیزہ اور منصفانہ اقتصادی نظام قائم ہو سکے۔

مال کی حلت و حرمت کے متعلق قرآنی احکام:

اسلامی تعلیمات میں حلال و حرام کی تمیز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حلال روزی اختیار کرنے اور حرام سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا٘ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا

خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ ترجمہ کنز العرفان: ”اے لوگو! جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“[1]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ مولانا ابو الصالح مفتی محمد قاسم عطاری مدظلہ العالی لکھتے ہیں: ”حلال و طیب سے مراد وہ چیز ہے جو بذاتِ خود بھی حلال ہے، جیسے بکرے کا گوشت، سبزی، دال وغیرہ اور **ہمیں حاصل بھی جائز ذریعے سے ہو یعنی چوری، رشوت، ڈکیتی وغیرہ کے ذریعے نہ ہو۔**“[2]

رزق حلال کے فضائل اور حرام مال کی مذمت:

احادیثِ مبارکہ میں رزق حلال کی بہت فضیلت اور رزق حرام کی بہت مذمت بیان کی گئی ہے، **چنانچہ نبی کریم** صلی اللہ علیہ وسلم **نے مستجاب الدعوات بننے کے لیے حلال کھانے اور حرام سے بچنے کو معیار قرار دیا،** جیسا کہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: ”تليت هذه الآية عند رسول الله ﷺ: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا﴾ [البقرة:١٦٨] فقام سعد بن أبي وقاص، فقال: يا رسول الله، ادع الله أن يجعلني مستجاب الدعوة، فقال له النبي ﷺ: يا سعد أطب مطعمك تكن مستجاب الدعوة، والذي نفس محمد بيده، إن العبد ليقذف اللقمة الحرام في جوفه ما يتقبل منه عمل أربعين يوما، وأيما عبد نبت لحمه من السحت والربا فالنار أولى به“ ترجمہ: جب یہ آیت مبارکہ ﴿یٰۤاَیُّهَا

1...(پارہ2،سورۃ البقرۃ، آیت:168)

2...(تفسیر صراط الجنان، جلد1، صفحہ268، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

النَّاسُ کُلُوۡا مِمَّا فِی الۡاَرۡضِ۔۔۔﴾ تلاوت کی گئی، تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیجیے کہ اللہ کریم مجھے "مُستجابُ الدَّعوات" بنادے یعنی میری ہر دعا قبول فرمائے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! اپنی خوراک پاک کرو "مستجاب الدعوات" ہو جاؤ گے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، آدمی اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ ڈالتا ہے، تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا اور جس بندے کا گوشت سود اور حرام خوری سے اُگا ہو، اس کے لئے آگ زیادہ بہتر ہے۔[1]

جو شخص دنیا میں حلال کمائے اور حلال طریقے سے مال خرچ کرے، اس کے لیے جنت کی بشارت ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "الدنیا خضرۃ حلوۃ من اکتسب فیھا مالا من حلہ وأنفقہ فی حقہ أثابہ اللہ علیہ وأوردہ جنتہ ومن اکتسب فیھا مالا من غیر حلہ وأنفقہ فی غیر حقہ أحلہ اللہ دار الھوان ورب متخوض فی مال اللہ ورسولہ لہ النار یوم القیامۃ یقول اللہ کلما خبت زدناھم سعیرا" ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، جس نے اس میں حلال طریقے سے مال کمایا اور اسے وہاں خرچ کیا جہاں خرچ کرنے کا حق تھا، تو اللہ تعالیٰ اسے (آخرت میں) ثواب عطا فرمائے گا اور اسے اپنی جنت میں داخل فرمائے گا اور جس نے دنیا میں حرام طریقے سے مال کمایا اور اسے ناحق جگہ خرچ کیا تو اللہ تعالیٰ اسے ذلت و حقارت کے گھر (یعنی جہنم) میں داخل کر دے

1...(معجم الاوسط، جلد6، صفحہ310، مطبوعہ دار الحرمین، القاھرۃ)

گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں خیانت کرنے والے کئی لوگوں کے لئے قیامت کے دن جہنم ہوگی۔اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:﴿ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴾

ترجمۂ کنزُالعِرفان:”جب کبھی بجھنے لگے گی،تو ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔“[1]

قرآنی احکام اور احادیثِ مبارکہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ مال جمع کرنے میں حلال طریقے ہی اختیار کرے،حلال روزی سے ہی کھائے اور پہنے،اسی طرح دوسروں کو بھی جو مال دے وہ حلال مال میں سے ہی دے۔

اسی طرح مال جمع کرنے میں حلال ذرائع کا انتخاب کرے،چونکہ فی زمانہ جس طرح دیگر جرائم اور گناہ دن بدن بڑھتے جارہے ہیں،اسی طرح لوگوں نے مال کی محبت میں اس کے حصول کے بہت سے حرام ذرائع اختیار کرلیے ہیں،جن میں سود،رشوت،دھوکا،جوا،ناحق مال کھانا وغیرہ سرِفہرست ہیں۔ہمارے ہاں لوگ مال جمع کرنے میں مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں،جن میں سے بعض حلال ہوتے ہیں اور بعض حرام،ان طریقوں میں سے ایک طریقہ بی سی اور کمیٹی کا بھی ہے،اس میں بہت سی جائز و ناجائز صورتیں رائج ہیں،جن کو ہم آگے تفصیلاً بیان کریں گے،ابھی اس کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

کمیٹی کا تعارف:

"بی سی"یا "کمیٹی" کو انگریزی زبان میں عام طور پر "Rotating Savings and Credit Association" کہا جاتا ہے،جس کا مخفف ROSCA ہوتا ہے،عام فہم اور سادہ زبان میں اسے "Money Pool", "Prize Pool", "Committee" یا بعض جگہوں پر

---

1 ...(شعب الایمان،جلد4،صفحہ 396-397،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ،بیروت)

"Savings Group" بھی کہا جاتا ہے، **لیکن تکنیکی یا تحقیقی زبان میں اسے ROSCA ہی کہا جاتا ہے۔** کمیٹی دراصل ایک درمیانے طبقے کے لوگوں کے لیے بچت(Saving)اور مال جمع کرنے کا ذریعہ ہے، جو عموماً کسی ضرورت یا مقصد کے لیے ڈالی جاتی ہے۔اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مِل جُل کر ہر ماہ ایک مخصوص رقم ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کرتے ہیں اور پھر قرعہ اندازی یا باہمی رضامندی سے یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ تمام لوگوں کی جمع کی گئی رقم مجموعی طور پر سب سے پہلے کس شخص کو ملے گی۔عام طور پر سب سے پہلی کمیٹی اس شخص کو دے دی جاتی ہے، جو یا تو کمیٹی کا منتظم (Organizer)ہوتا ہے یا پھر کوئی ایسا شخص جسے فوری طور پر کسی بنا پر پیسوں کی ضرورت ہو، اسے دے دی جاتی ہے اور پھر بقیہ کمیٹیوں میں قرعہ اندازی کر لی جاتی ہے اور جس کا نام جس ترتیب سے آتا ہے، اس کو عموماً اسی ترتیب سے جمع کردہ رقم دے دی جاتی ہے۔

کمیٹی کا فائدہ:

کمیٹی کے نظام کی سب سے بڑی خوبی اور فائدہ یہ ہے کہ یہ پیسوں کی بچت کے لیے ایک مستحکم اور خود کفیل طریقہ کار ہے، بالخصوص یہ طریقہ کار ان افراد کے لیے فائدہ مند ہے، جو معمولی آمدنی رکھتے ہیں اور بینکوں یا دیگر مالی اداروں میں پیسہ جمع کرانے کے متحمل نہیں ہوتے کہ یہ افراد ماہانہ چھوٹی چھوٹی رقم جمع کر کے بڑی رقم اکٹھی کرتے ہیں، پھر کمیٹی ممبران میں سے جسے ضرورت ہو یا جس کا نمبر ہو، اسے جمع شدہ رقم مل جاتی ہے، جس کے سبب وہ شخص سودی قرض سے بچ جاتا ہے اور ان پیسوں سے اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے۔بظاہر دیکھیں تو سیونگ اکاؤنٹس میں پیسے رکھنے یا کسی اور جگہ سرمایہ کاری کرنے کے برعکس کمیٹی میں آپ کی رقم کبھی بھی اصل

سے بڑھتی نہیں۔اس کا واحد فائدہ (Benefit) یہ ہے کہ آپ کو ایک ساتھ وہ رقم بھی حاصل ہو جاتی ہے، جو آپ عام طور پر شاید جلدی جمع نہ کر پائیں، مگر قسط وار آپ اتنی ہی رقم بآسانی دے سکیں گے۔

کتاب لکھنے کی وجہ:

کمیٹی کی جائز صورت کے علاوہ بھی چونکہ لوگوں نے اس میں بہت سے ایسے طریقے نکال لیے ہیں جو سود، دھوکا دہی، رشوت، جوئے جیسے گناہوں اور شریعت اسلامیہ کی خلاف ورزیوں پر مشتمل ہیں، لہٰذا مسلمانوں کا کمیٹی میں پائی جانے والی خرابیوں سے روشناس ہونا بے حد ضروری ہے، تاکہ وہ ناجائز طریقوں سے بچ کر اپنے آپ کو گناہ سے بچا سکیں، اسی بات کے پیشِ نظر میرے نہایت شفیق استادِ محترم، مفتیِ اہلِ سنت، مفسرِ قرآن، مفتی دعوت اسلامی، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد قاسم عطاری زیدمجدہ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اس موضوع پر مختلف مسائل جمع کروں، جس میں کمیٹی کی عمومی رائج صورتیں اور ان کے احکام بیان کر دیئے جائیں، تو اُستاذِ محترم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے، آپ کی تصدیق کے ساتھ فتاویٰ کی صورت میں چند احکام جمع کیے ہیں، تاکہ ان کا مطالعہ کرنے والا اس موضوع سے متعلق حلال و حرام کے حوالے سے درست پہچان کر سکے۔ اس کا عربی نام "اَلتَّکْيِيْفُ الْفِقْهِيُّ لِنِظَامِ الْجَمْعِيَّاتِ فِی الْفِقْهِ الْاِسْلَامِیِّ" اور اردو نام "کمیٹی کے شرعی احکام" تجویز کیا ہے، دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بنائے۔

کتاب کا اجمالی خاکہ:

یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلے باب میں کمیٹی کی شرعی حیثیت، کمیٹی کے نمبر کے تعین اور جمع کروانے کے حوالے سے چند مسائل درج کیے گئے ہیں۔

دوسرے باب میں کمیٹی چھوڑ جانے والوں کے متعلقہ احکام کو بیان کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں کمیٹی کی رائج صورتوں اور ان کے احکام کو درج کیا گیا ہے، جن میں لکی کمیٹی، بولی والی کمیٹی، عمرہ کمیٹی، سونے کی کمیٹی وغیرہ شامل ہیں۔

چوتھے اور آخری باب میں کمیٹی کے متفرق مسائل، مثلاً کمیٹی کی رقم پر زکوۃ، مسجد کے چندے سے کمیٹی ڈالنا وغیرہ کو شامل کیا گیا ہے۔

ابو الفیضان محمد عرفان احمد عطاری مدنی

باب اول

کمیٹی کی شرعی حیثیت اور کمیٹی کا تعین

فتویٰ 1:

بی سی (کمیٹی) ڈالنے کی شرعی حیثیت، نیز کمیٹی جمع کرنے والے کے پاس جمع شدہ رقم قرض ہے یا امانت؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ چند افراد مل کر برابر، برابر رقم جمع کرائیں اور انہیں برابر، برابر رقم دی جائے اور تمام شرکاء آخر تک شریک رہیں، ایسا نہ ہو کہ جس کی کمیٹی نکلتی جائے، وہ بقیہ اقساط سے بری الذمہ ہوتا جائے، اس طرح کمیٹی ڈالنا کیسا ہے، نیز یہ بھی بتائیے کہ کمیٹی ہولڈر یعنی جمع کرنے والے کے پاس کمیٹی کی رقم کی حیثیت کیا ہوتی ہے، یہ امانت ہوتی ہے یا قرض؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

باہمی رضامندی سے چند افراد کا مل کر ایک طے شدہ مدت تک برابر برابر رقم جمع کروانے اور ہر ممبر کو جمع کردہ رقم اس مدت پر دینے کو کمیٹی سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ عموماً درمیانے طبقے کے لوگوں کے لیے بچت کا ایک ذریعہ ہے، اس کے متعلق حکم شرعی یہ ہے کہ جب تک اس میں کوئی ناجائز شرط یا کوئی ناجائز بات نہ پائی جائے، شرعاً کمیٹی ڈالنا بالکل جائز اور درست ہے۔

اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایڈمن یعنی کمیٹی جمع کرنے والے کے پاس اس جمع شدہ رقم کی شرعی حیثیت کیا ہوتی ہے، تو اس کے بارے میں تفصیل ہے، بعض صورتوں میں امانت ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں قرض ہوتی ہے۔

کمیٹی بحیثیت امانت:

منتظم کے پاس جمع شدہ رقم کے بارے میں اگر یہ صراحت ہو کہ جو کمیٹی ممبران، رقم جمع کروارہے ہیں، وہ بعینہ محفوظ رکھی جائے گی، منتظم اسے اپنے استعمال میں نہیں لائے گا اور پھر یہ اسے محفوظ بھی رکھے، استعمال نہ کرے، تو اس صورت میں کمیٹی جمع کرنے والے کے پاس اس رقم کی حیثیت امانت کی ہوگی اور جب یہ رقم کمیٹی ممبر (جس کا قرعہ اندازی میں نام نکل آئے) کو پہنچے گی، تو اس وقت اس رقم کی حیثیت قرض کی ہو جائے گی، لیکن رقم کو بعینہ محفوظ رکھنے والی صورت ہمارے ہاں عام طور پر بہت کم پائی جاتی ہے، ہاں البتہ گھروں میں ڈالی جانے والی بعض کمیٹیوں میں جمع کی ہوئی رقم خرچ نہیں کی جاتی، بلکہ بعینہ جمع شدہ رقم ہی آگے جس کی کمیٹی نکلے اسے منتقل کر دی جاتی ہے، اس لیے وہاں کمیٹی کی جمع شدہ رقم کی حیثیت جب تک منتظم کے پاس ہو امانت متعین کرنا، ممکن ہے، بشرطیکہ استعمال نہ کرنے کی صراحت ہو جائے یا پھر وہاں کا عُرف ہو۔

کمیٹی بحیثیت قرض:

کمیٹی میں جمع شدہ رقم کے بارے میں اگر صراحتاً یا دلالتاً منتظم کے لیے استعمال کی اجازت ہو، جیسے ہمارے ہاں مارکیٹوں میں چلنے والی کمیٹیوں میں عموماً استعمال کی اجازت ہوتی ہے، منتظمین استعمال کرتے ہیں اور ممبران کو علم کے باوجود اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا، تو یہ رقم منتظم کے پاس شروع ہی سے قرض ہوگی، امانت نہیں۔

نوٹ: اس فتویٰ میں کمیٹی کی بنیادی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے، البتہ کس پر کب تک امانت و قرض ہوگی اور کمیٹی کو امانت یا قرض قرار دینے سے کمیٹی جمع کروانے اور جمع کرنے والوں

پر کیا کیا احکام متعلق ہوں گے؟ اس میں تفصیلات ہیں، جو متعلقہ مسائل کے وقوع کے وقت ان کی تفصیلات کے بعد ہی ذکر کیے جاسکتے ہیں۔

اب اس تفصیل کے متعلق جزئیات ملاحظہ کیجیے:

کمیٹی کے بنیادی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے مفتی محمد وقار الدین رضوی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:1413ھ/1992ء) لکھتے ہیں: ”پچھتر ہزار کی بیسی کو کم یا زیادہ میں بیچنا حرام ہے، **بی سی کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر مہینے تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع کر کے باری باری سب کو قرعہ اندازی کر کے پوری رقم ایک ساتھ دے دی جائے۔**“[1]

قرض کی تعریف کے متعلق ”تنویرالابصار، درمختار اور ردالمحتار“ میں ہے: ”ماتعطيه من مثلي لتتقاضاه (كان عليه أن يقول لتتقاضى مثله) خرج نحو وديعة وهبة أي خرج وديعة وهبة (ونحوهما كعارية وصدقة، لأنه يجب ردعين الوديعة والعارية و لايجب ردشيء في الهبة والصدقة)“ ملخصاً۔ ترجمہ: یعنی شرعاً قرض یہ ہے کہ آپ کسی کو مثلی مال (رقم، غلہ، وغیرہ) اس طور پر دیں کہ بعد میں آپ اسی کی مثل واپس لینے کا مطالبہ کریں گے، اس تعریف سے ودیعت (امانت)، ہبہ (گفٹ)، عاریت اور صدقہ نکل گئے، کیونکہ ودیعت اور عاریت میں تو بعینہ چیز کو لوٹانا واجب ہوتا ہے اور ہبہ و صدقہ میں کچھ بھی لوٹانا واجب نہیں ہوتا۔[2]

منتظم کو صراحتاً یا دلالتاً اجازت ملنے کے ساتھ ہی اس کی حیثیت قرض کی ہو جائے گی، ایسا نہیں ہوگا کہ شروع میں امانت ہو اور استعمال کرنے پر قرض بنے اس کی وجہ یہ ہے کہ کرنسی

1...(وقارالفتاوی، جلد3، صفحہ303، مطبوعہ بزم وقارالدین، کراچی)

2...(ردالمحتارعلی الدرالمختار، کتاب البیوع، فصل فی القرض، جلد7، صفحہ406-407، مطبوعہ کوئٹہ)

کو استعمال کی اجازت سے دیناہی اس کرنسی کو قرض بنا دیتا ہے، جیسے بینک کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ بینک میں جمع شدہ رقم کو علمائے کرام قرض قرار دیتے ہوئے اُسے ابتداءً ہی قرض شمار کرتے ہیں کہ وہاں پر رقم کو استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے، بینک کے معاملہ میں یہ نہیں کہا جاتا کہ جب تک بینک استعمال میں نہیں لائے گا، اس وقت تک امانت ہے اور بعد میں قرض ہے، بلکہ اسے ابتداءً ہی قرض شمار کیا جاتا ہے۔لہذا کمیٹی کی صورت میں بھی جب رقم استعمال کی اجازت سے حوالے کی جائے گی، تو حوالے کرتے ہی اس رقم کی حیثیت قرض کی قرار پائے گی۔

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
01 رجب المرجب 1445ھ/13 جنوری 2024ء

فتویٰ 2:

کمیٹی کی جمع شدہ رقم کو استعمال کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ جس شخص کے پاس کمیٹی کی رقم جمع ہو، کیا وہ کمیٹی کی رقم کو اپنے ذاتی استعمال میں لا سکتا ہے؟ جبکہ کمیٹی نکلنے کے وقت تمام استعمال کی ہوئی رقم کمیٹی کی رقم میں شامل کر دے گا۔ اس بارے میں تفصیلاً رہنمائی فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

سوال کا جواب جاننے کے لیے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کمیٹی ایڈمن یعنی رقم جمع

کرنے والے کے پاس کمیٹی کی جمع شدہ رقم کی حیثیت کیا ہے۔ یہ حیثیت دو صورتوں میں متعین ہوتی ہے: (1) امانت اور (2) قرض

رقم کی حیثیت کی وضاحت

قرض کی صورت: اگر کمیٹی ممبران کی طرف سے ایڈمن کو صراحتاً یا دلالتاً یہ اجازت دی گئی ہو کہ وہ جمع شدہ رقم کو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے، تو ایسی صورت میں یہ رقم قرض شمار ہو گی۔

امانت کی صورت: اگر صراحتاً یا دلالتاً یہ طے ہو کہ جمع شدہ رقم بعینہ محفوظ رکھی جائے گی اور ایڈمن اسے اپنے استعمال میں نہیں لائے گا، تو یہ رقم امانت شمار ہو گی۔

عُرف کا اعتبار: اگر امانت یا قرض ہونے کی صراحت نہ کی گئی ہو، تو شریعتِ مطہرہ کا اصول یہ ہے کہ پھر عُرف کو دیکھا جائے گا۔

- اگر عرف یہ ہو کہ لوگ رقم کو استعمال کی اجازت کے ساتھ جمع کرواتے ہیں، تو رقم قرض شمار ہو گی، جیسا کہ عام طور پر مارکیٹوں میں چلنے والی کمیٹیاں۔
- اگر عرف یہ ہو کہ رقم بعینہ محفوظ رکھی جاتی ہے، جیسا کہ گھروں میں چلنے والی بعض چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں، تو ایسی صورت میں یہ رقم امانت ہو گی۔

تمہیدی گفتگو سمجھنے کے بعد نفسِ مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ:

اگر ایڈمن کے پاس کمیٹی کی جمع شدہ رقم کی حیثیت قرض کی ہو یا وہاں کا عرف یہ ہو کہ لوگ استعمال کی اجازت کے ساتھ جمع کرواتے ہوں تو ایسی صورت میں ایڈمن کمیٹی کی رقم ذاتی استعمال میں خرچ کر سکتا ہے اور قرض خواہ اس سے مطالبہ کا پورا حق رکھتا ہے اور قرض میں مطالبہ کے وقت مثلی چیز کو ادا کرنا لازم ہوتا ہے، لہٰذا ممبران کے مطالبے کی صورت میں ایڈمن پر اتنی

رقم واپس کرنا لازم ہو گا۔

اور اگر ایڈ من کے پاس کمیٹی کی رقم بطورِ امانت ہو یا وہاں کا عرف یہ ہو کہ لوگ بعینہ وہی رقم محفوظ رکھنے کے لیے جمع کرواتے ہوں، جیسا کہ بعض گھروں میں ڈالی جانے والی کمیٹیوں میں ایسا ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں ایڈ من کو کمیٹی کی رقم خرچ کرنے کی اجازت نہیں، اگر خرچ کرے گا، تو امانت میں خیانت کرنے کی وجہ سے اس پر تاوان لازم ہو گا۔

قرض کی تعریف کے متعلق تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے: "ماتعطيه من مثلی لتتقاضاه (كان عليه أن يقول لتتقاضى مثله) خرج نحو وديعة وهبة أی خرج وديعة وهبة (ونحوهما كعارية وصدقة، لأنه يجب ردعين الوديعة والعارية ولايجب ردشیء فی الهبة والصدقة)" ملخصاً۔ ترجمہ: یعنی شرعاً قرض یہ ہے کہ آپ کسی کو مثلی مال (رقم، غلہ، وغیرہ) اس طور پر دیں کہ بعد میں آپ اسی کی مثل واپس لیں گے، اس تعریف سے ودیعت (امانت)، ہبہ (گفٹ)، عاریت اور صدقہ نکل گئے، کیونکہ ودیعت اور عاریت میں تو بعینہ چیز کو لوٹانا واجب ہوتا ہے اور ہبہ و صدقہ میں کچھ بھی لوٹانا واجب نہیں ہوتا۔[1]

امانت کی تعریف درمختار میں یوں بیان کی گئی ہے: "تسليط الغير على حفظ ماله صريحا أو دلالة۔۔۔ (وركنها الايجاب صريحا) كأودعتک۔۔۔ (أو فعلا) كما لو وضع ثوبه بين يدی رجل ولم يقل شيئا فهو إيداع (والقبول من المودع صريحا) كقبلت (أو دلالة) كما لو سكت عند وضعه فإنه قبول دلالة كوضع ثيابه فی حمام بمرأی من الثيابی" ملتقطاً ترجمہ: کسی کو صراحتاً یا دلالۃً اپنے مال کی حفاظت پر مسلط کرنا ودیعت کہلاتا ہے۔ اس کا رکن ایجاب ہے، خواہ وہ

1 ...(ردالمحتار علی الدرمختار، کتاب البیوع، فصل فی القرض، جلد 7، صفحہ 406-407، مطبوعہ کوئٹہ)

صراحتاًہو، جیسے یوں کہا کہ میں نے تمہیں ودیعت دی، یا عمل سے ہو، جیسے کسی نے اپنا کپڑا دوسرے کے سامنے رکھ دیا اور کچھ نہ کہا، تو یہ ودیعت رکھناہےاور ودیعت کادوسرا رکن مودع(جس کی حفاظت میں چیز دی گئی)کی طرف سے قبول کرناہے، خواہ قبول کرنا صراحتاً ہو، جیسے میں نے قبول کیایادلالۃً ہو، جیسے کسی نے اس کے سامنے چیز رکھی اور یہ خاموش رہا، تو یہ خاموش رہنادلالۃً قبول ہے، جیسے حمام میں جامہ دار (لباس کے ایڈمن) کے سامنے کپڑے رکھنا۔(1)

امانت میں خیانت کرنا، منافقت کی علامت ہے، چنانچہ حدیث پاک میں ہے:”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:”آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان“ترجمہ:بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:منافق کی تین علامتیں ہیں:(1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔(2) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (3) جب امانت اس کے سپرد کی جائے، تو خیانت کرے۔(2)

اورامانت امین کی تعدی سے ہلاک ہو جائے یاامین خود ہی امانت کو ہلاک کر دے، تووہ غاصب ہے اوراس پر تاوان لازم ہو جاتاہے، جیساکہ فتاوی رضویہ میں ہے:”اگر دعوٰی استہلاک کاتھا یعنی اتنا زیور اسے عاریۃً دیا تھااس نے تلف کر دیا، تو اب یہ بعینہ دعوی غصب ہے اوراس کا حکم وہ ہے، جواوپر مذکور ہوا:”وذٰلک لان الامانات تنقلب مضمونات بالتعدی والامین یعود بہ غاصبا“یعنی یہ تاوان اس لئے ہے کہ امانتیں تعدی کی وجہ سے مضمون ہو جاتی ہیں اورامین اس

1...(درمختارمع ردالمحتار، کتاب الایداع، جلد8، صفحہ526،527مطبوعہ کوئٹہ)

2...(صحیح المسلم، کتاب الایمان، جلد01، صفحہ56، مطبوعہ کراچی)

تعدی کی وجہ سے غاصب ہو جاتا ہے۔“[1]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبــــــــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
23جمادی الاولیٰ 1446ھ/26نومبر 2024ء

فتویٰ 3:

کمیٹی کے نمبرز کا تعین کیسے ہو؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ چند افراد اگر مل کر کمیٹی ڈالیں، تو نمبر کا تعین کس طرح کریں تاکہ وہ آپسی جھگڑے سے محفوظ رہیں اور تمام ممبران کے نمبر بھی متعین ہو جائیں کہ فلاں کو فلاں مہینے، مثلاً زید کو جنوری میں کمیٹی کی رقم ملے گی اور بکر کو فروری میں ملے گی؟ اس حوالے سے ہماری رہنمائی فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

کمیٹی نکالنے کے لیے نمبر کے تعین میں درج ذیل دو طریقے اپنائے جاسکتے ہیں۔

(1) قرعہ اندازی (Lucky Draw) کے ذریعے نمبرز کا تعین کیا جائے، اس صورت میں جب کوئی اور شرعی خرابی نہ ہو، تو یہ طریقہ کار اپنانا بالکل جائز ہے اور قرآن و حدیث میں قرعہ اندازی کے ذریعے کسی چیز کی تعیین پر بہت سی مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ ذیل میں ذکر کی جائیں گی۔

1...(فتاوی رضویہ، جلد 18، صفحہ 411، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاھور)

(2)دوسرا یہ کہ باہمی رضامندی (Understanding) سے نمبر کا تعین کر لیا جائے، یعنی جس کو جس مہینے پیسوں کی حاجت ہو اس لحاظ سے اس کے لیے تمام ممبران کی رضامندی سے اس مہینے کی کمیٹی کا تعین کر دیا جائے، یہ بھی شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ کسی غیر شرعی معاملہ پر رضا مندی نہ ہو، مثلاً اپنا مطلوبہ نمبر لینے کے لیے مجبوراً اس کی وجہ سے بقیہ ممبران کو زائد رقم ادا نہ کرنی پڑتی ہو۔ اور باہمی رضامندی سے کوئی بھی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔

نوٹ: اس کے علاوہ بولی کے ذریعے کمیٹی نکالنے کا جو طریقہ بعض جگہوں پر رائج ہے، وہ ناجائز ہے۔

قرعہ کے ذریعے کسی چیز کا تعین کرنا قرآن پاک سے ثابت ہے:

(1)حضرتِ مریم رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہا کی ولادت کے بعد ان کی کفالت کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے قرعہ اندازی کی گئی، جیسا کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ﴾ ترجمہ کنز العرفان: ”اور تم ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ ان میں کون مریم کی پرورش کرے گا۔“[1]

مفتیِ اہلِ سنت، شیخ القرآن، شیخ الحدیث ابو صالح مفتی محمد قاسم قادری صاحب دامت برکاتھم العالیہ اپنی مایہ ناز تفسیر، تفسیر صراط الجنان میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: ” چونکہ بہت سے لوگ حضرت مریم رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہا کی پرورش کے امیدوار تھے۔ اس لئے آپس میں بحث و مباحثہ کے بعد انہوں نے قرعہ اندازی پر فیصلہ چھوڑ دیا، چنانچہ جن قلموں سے تورات لکھا کرتے تھے ان کے ذریعے قرعہ اندازی کی اور طے یہ پایا کہ ہر کوئی اپنا قلم پانی میں رکھے، جس

1...(سورۃ آل عمران، آیت:44)

کا قلم پانی کے بہاؤ کے الٹی طرف بہنا شروع کر دے، وہ کفالت کا حق دار ہو گا۔ سب نے اپنی اپنی قلم پانی میں ڈالی تو حضرت زکریا عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا قلم اُلٹی طرف بہنا شروع ہو گیا، اس طرح حضرت مریم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی کفالت میں آ گئیں۔

قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ کرنا: اس سے معلوم ہوا کہ عام معاملات میں قرعہ اندازی سے بھی فیصلہ کیا جاسکتا ہے، جیسے تاجدارِ رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سفر میں ساتھ لے جانے کے لیے ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرمایا کرتے تھے۔[1]

(2) حضرت یونس عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام جب اپنی قوم سے جدا ہوئے اور کشتی (boat) میں سوار ہوئے، پھر وہ کشتی سمندر کے درمیان ٹھہر گئی، تو ملاحوں (کشتی چلانے والوں) نے ایک بندے کو کشتی سے نکالنے کے لیے قرعہ ڈالا، جیسا کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ﴾ ترجمہ کنز العرفان: ”کشتی والے نے قرعہ ڈالا تو یونس دھکیلے جانے والوں میں سے ہو گئے۔“[2]

تفسیر صراط الجنان میں ہے: ”حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت وہب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا قول ہے کہ حضرت یونس عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا، جب اس میں تاخیر ہوئی تو (آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اُن سے چھپ کر نکل گئے، آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے دریائی سفر کا قصد کیا اور بھری کشتی پر سوار ہو گئے، جب کشتی دریا کے درمیان پہنچی تو ٹھہر گئی اور اس کے ٹھہرنے کا کوئی ظاہری سبب موجود نہ تھا۔ ملاحوں نے

1...(صراط الجنان، جلد1، صفحہ 475، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2...(سورۃ الصفت، آیت: 141)

کہا:اس کشتی میں اپنے مولا سے بھاگا ہوا کوئی غلام ہے، قرعہ اندازی کرنے سے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ کون ہے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کی گئی، تو اس میں آپ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام ہی کا نام نکلا، اس پر آپ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام نے فرمایا کہ میں ہی وہ غلام ہوں۔ (یہ عاجزی کے جملے تھے) اس کے بعد آپ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام پانی میں ڈال دیئے گئے، کیونکہ ان لوگوں کا دستور یہی تھا کہ جب تک بھاگا ہوا غلام دریا میں غرق نہ کر دیا جائے، اس وقت تک کشتی چلتی نہ تھی۔[1]

(3) نبی پاک صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم جب سفر پر روانہ ہوتے، تو ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے، جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ہے: ”عن عائشة قالت: كان رسول الله: إذا أراد سفرا أقرع بين نسائه، فأيتهن خرج سهمها خرج بها معه“ ترجمہ: حضرت عائشہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم جب سفر کا اِرادہ فرماتے تو اَزواج کے دَرمیان قرعہ اندازی فرماتے تھے، پھر ان میں سے جس کا نام نکل آتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔“[2]

مفتی محمد احمد یار خان نعیمی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْه (سالِ وفات: 1391ھ/1971ء) لکھتے ہیں: ”اِس طرح (قرعہ ڈالتے) کہ ہر بی بی کا نام کاغذ کی پرچیوں پر لکھ کر ان کی گولیاں بنا کر کسی بچے کے ذریعہ ایک گولی اُٹھواتے، اس میں جس کا نام نکل آتا، اس کو سفر میں لے جاتے، قرعہ ڈالنے کی اور بھی کئی صورتیں ہیں، مگر یہ زیادہ مُرَوَّج ہے۔“[3]

1...(صراط الجنان، جلد8، صفحہ346، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2...(صحیح البخاری، کتاب الشھادات، باب القرعۃ فی المشکلات، جلد3، صفحہ182، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

3...(مراٰۃ المناجیح، جلد5، صفحہ82، مطبوعہ، قادری پبلشر، لاھور)

وقارالفتاوی میں مفتی وقارالدین رضوی علیہ الرحمۃ سے ایک سوال ہوا کہ: ”آج کل ملکی سطح پر بلب فیکٹری اپنے ہر بلب کی خریداری کے ساتھ ایک کوپن جاری کرتی ہے، جسے خریدار چاہے تو پُر کر کے جمع کروادے اور **ان جمع شدہ کوپن پر قرعہ اندازی کے ذریعہ انعام دیا جاتا ہے۔** کیا یہ جائز ہے؟ تو اس کے جواب میں آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ”(کمپنی) نے جس طرح کی قرعہ اندازی بلب خریدنے والوں کے لیے رکھی ہے، اس میں انعام کمپنی اپنی طرف سے دیتی ہے۔ خریدار نے بلب خریدنے کے لیے روپیہ دیا تھا، **قرعہ اندازی میں روپیہ نہیں دیا تھا۔ لہذا یہ جائز ہے۔**“[1]

ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ قرعہ اندازی اور پرچی کے ساتھ کمیٹی نکالنا جائز ہے لہذا اس کے ذریعے سے بھی کمیٹی کے نمبرز کا تعین کیا جا سکتا ہے تا کہ جھگڑے کی کیفیت پیدا نہ ہو۔

اور جہاں تک معاملہ مروجہ بولی والی کمیٹی کے ناجائز ہونے کا ہے، تو اس کے بارے میں وقار الفتاوی میں ہے: ”پچھتر ہزار کی بیسی کو کم یا زیادہ میں بیچنا حرام ہے۔“[2]

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو الفیضان عرفان احمد مدنی

17 جمادی الثانی 1445ھ/30 دسمبر 2023ء

الجواب صحیح

مفتی محمد قاسم عطاری

1...(وقارالفتاوی، جلد3، صفحہ309،310، مطبوعہ بزم وقارالدین، کراچی)

2...(وقارالفتاوی، جلد1، صفحہ256، بزم وقارالدین قادری، کراچی)

﴿باب دوم﴾

کمیٹی چھوڑنے کی شرائط و ضوابط اور احکام

فتویٰ4:

درمیان سے کمیٹی چھوڑنا کیسا؟

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ چند افراد مل کر اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کمیٹی ڈالتے ہیں، تاکہ بوقتِ حاجت کمیٹی کی رقم لے کر اپنی ضرورت کو پورا کر سکیں، میرا سوال یہ ہے کہ اگر کمیٹی کے افراد میں سے کوئی شخص درمیان سے کمیٹی چھوڑنا چاہے، تو کیا شریعتِ مطہرہ میں اس کی اجازت ہے یا نہیں، اس کا کیا دائرہ کار ہے؟ وضاحت فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

اولاً یہ بات ذہن نشین رہے کہ کمیٹی کی شرعی حیثیت قرض کی ہوتی ہے کہ اس میں ہر ممبر ایک مقررہ مدت تک کمیٹی کی صورت میں قرض دینے کا وعدہ(Promise)کرتا ہے اور شریعتِ مطہرہ میں جہاں وعدے کی پاسداری کے متعلق بہت زیادہ تاکید آئی ہے، وہیں وعدہ خلافی یعنی وعدہ پورا نہ کرنے سے منع بھی کیا گیا ہے۔ہاں وعدہ پورا نہ کرنا کبھی مکروہِ تحریمی، ناجائز و گناہ ہوتا ہے، تو کبھی مکروہِ تنزیہی(ناپسندیدہ)اور کبھی بلا کراہت جائز بھی ہوتا ہے، جیسا کہ فقہائے کرام نے وعدہ خلافی کی تین صورتیں اور ان کے احکام بھی بیان فرمائے، جو کہ درج ذیل ہیں۔

وعدہ خلافی کی صورتیں اور ان کے احکام:

1۔وعدہ کرتے وقت ہی دل میں اسے پورا نہ کرنے کا ارادہ ہو، تو وعدہ خلافی کی یہ صورت ناجائز و گناہ ہے اور حقیقت میں یہی وہ وعدہ خلافی ہے، جس کی مذمت کی گئی ہے۔

2۔ وعدہ کرتے وقت تو دل میں وعدہ پورا کرنے کا پکّا ارادہ ہو، لیکن بعد میں کسی عذر کی وجہ سے پورا نہ کر پائے، تو یہ گناہ نہیں۔

3۔ شروع میں تو وعدہ پورا کرنے کا ارادہ تھا، لیکن بعد میں بغیر کسی عذر کے ہی وعدہ پورا نہ کیا، یہ اگرچہ گناہ تو نہیں لیکن، مکروہ تنزیہی، ناپسندیدہ اور مکارمِ اخلاق کے خلاف ضرور ہے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں پوچھی گئی صورت کا جواب یہ ہے کہ جب کسی شخص کا شروع سے ہی کمیٹی پوری کرنے کا ارادہ نہ ہو، بلکہ وہ درمیان سے چھوڑنے کا قصد رکھتا ہو، تو ایسی صورت میں بغیر کسی وجہ کے کمیٹی چھوڑنا، ایسی وعدہ خلافی ہے جو کہ ناجائز و گناہ ہے، **البتہ اگر کمیٹی پوری کرنے کا اردہ تو ہو، لیکن کسی ایسی مجبوری کی وجہ سے کمیٹی چھوڑنی پڑے جو اس کمیٹی سے زیادہ اہم ہو، تو ایسی صورت میں کمیٹی چھوڑنا گناہ نہیں**، اسی طرح شروع میں کمیٹی پوری کرنے کا ارادہ تو ہو، مگر بعد میں بغیر کسی سبب کے کمیٹی چھوڑ دے، تو ایسی صورت میں درمیان سے کمیٹی چھوڑنا اگرچہ گناہ تو نہیں لیکن مکروہ تنزیہی اور ناپسندیدہ (Dislike) عمل ضرور ہے۔ لہٰذا حتی الامکان کوشش کی جائے کہ کمیٹی کی مدّ میں رقم جمع کروانے کا جو وعدہ کیا گیا ہے، اس کو پورا کیا جائے۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے وعدہ پورا کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِۚ-اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـٴُـوْلًا﴾ ترجمہ کنز العرفان: ”اور عہد پورا کرو بیشک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔“[1]

قرآن کریم میں کامیابی حاصل کرنے والے ایمان والوں کی چند صفات بیان کرتے ہوئے ایک وصف یہ بھی بیان کیا گیا کہ وہ اپنے وعدوں کی رعایت رکھنے والے ہیں، چنانچہ ارشاد

1...(پارہ:15، سورۃ بنی اسرائیل، آیت34)

فرمایا: ﴿وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ ترجمہ کنز العرفان: ”اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدے کی رعایت کرنے والے ہیں۔“[1]

ان آیاتِ مبارکہ کے علاوہ اور بھی آیاتِ بینات ہیں، جن میں مسلمانوں کو عہد و معاہدہ اور قول و اقرار کے ایفاء (پورا) کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ حدیثِ پاک میں منافقین کی علامتوں میں سے ایک علامت، عہد و پیمان پورا نہ کرنا، بیان کی گئی۔

صحیح بخاری میں ہے: ”آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان“ ترجمہ: منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے، تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے، تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے، تو اس میں خیانت کرے۔[2]

ایک اور حدیثِ پاک میں ہے، حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ”اربع من كن فيه كان منافقا خالصا ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها إذا اؤتمن خان وإذا حدث كذب وإذا عاهد غدر وإذا خاصم فجر“ ترجمہ: جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو، تو اس میں نفاق کی خصلت پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ جب امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے، اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب جھگڑا کرے، تو گالی گلوچ کرے۔[3]

1...(پارہ:18، سورۃ المؤمنون، آیت 08)

2...(صحیح البخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 16، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

3...(صحیح البخاری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 16، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:"لا إيمان لمن لا أمانة له ولا دين لمن لا عهد له"ترجمہ: اس شخص کا کوئی ایمان نہیں، جس میں امانت داری نہیں اور اس شخص کا کوئی دین نہیں، جو وعدہ، وفا نہیں کرتا۔[1]

وعدہ خلافی کی صورتیں اور احکام بیان کرتے ہوئے امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"خلفِ وعدہ جس کی تین صورتیں ہیں اگر وعدہ سرے سے صرف زبانی بطور دنیا سازی کیا اور اسی وقت دل میں تھا کہ وفا نہ کریں گے، تو بے ضرورت شرعی و حالت مجبوری سخت گناہ و حرام ہے ایسے ہی خلافِ وعدہ کو حدیث میں علاماتِ نفاق سے شمار کیا۔۔۔اور اگر وعدہ سچے دل سے کیا پھر کوئی عذرِ مقبول و سبب معقول پیدا ہوا، تو وفا نہ کرنے میں کچھ حرج کیا، ادنٰی کراہت بھی نہیں جبکہ اس عذر و مصلحت کو اس وفائے وعدہ کی خوبی و فضیلت پر ترجیح ہو۔۔۔اور اگر کوئی عذر و مصلحت نہیں بلاوجہ نسبت چھڑائی جاتی ہے تو یہ صورت مکروہ تنزیہی ہے۔۔۔یہ بات اس تقدیر پر بے جا و خلاف مروت ہے، مگر حرام و گناہ نہیں، نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:"

ليس الخلف ان يعد الرجل ومن نيته ان يفي ولكن الخلف ان يعد الرجل و من نيته ان لا يفي "یعنی وعدہ خلافی یہ نہیں کہ آدمی وعدہ کرے اور اس کی نیت اس وعدہ کو پورا کرنے کی ہو، بلکہ وعدہ خلافی یہ ہے کہ آدمی وعدہ کرے اور اس کی نیت وعدہ پورا کرنے کی نہ ہو۔"[2]

واللہ اعلم عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو الفیضان عرفان احمد مدنی

17 جمادی الثانی 1445ھ/30 دسمبر 2023ء

الجواب صحیح

مفتی محمد قاسم عطاری

1...(مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، صفحہ 17، مطبوعہ کراچی)

2...(ملخص از فتاوی رضویہ، جلد 12، صفحہ 281 تا 283، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاهور)

فتویٰ 5:

کمیٹی چھوڑی تو اس میں کٹوتی کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کمیٹی کے افراد میں سے کوئی شخص کسی مجبوری کی وجہ سے درمیان سے کمیٹی چھوڑنا چاہے، تو کیا کمیٹی چھوڑنے پر اسے جرمانہ لگاسکتے ہیں؟ نیز اس کی جمع شدہ رقم واپس کرنے میں کچھ رقم کی کٹوتی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تاکہ کوئی بھی شخص کمیٹی نہ چھوڑے اور ہمیں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس بارے میں رہنمائی فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

کمیٹی چھوڑنے والے فرد سے جرمانہ وصول کرنا یا اس کی جمع شدہ رقم سے کٹوتی کرنا شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں ناجائز و حرام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل **تعزیر بالمال** یعنی مالی جرمانے کے زُمرے میں آتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں مالی جرمانے کی اجازت دی گئی تھی، لیکن بعد میں یہ منسوخ ہو گیا۔ شریعت کا واضح اصول یہ ہے کہ کسی منسوخ حکم پر عمل کرنا، جائز نہیں۔

علاوہ ازیں، اس طریقے سے کسی فرد کا مال حاصل کرنا دراصل باطل اور ناحق طریقے سے مال ہتھیانے کے مترادف ہے، جس کی قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں شدید مذمت کی گئی ہے، لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے خلافِ شرع کاموں سے اجتناب کریں۔

مالی جرمانے کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات: 911ھ/ 1505ء) لکھتے ہیں: ”کان فی صدر الاسلام تقع العقوبات فی الأموال ثم نسخ “ترجمہ: ابتدائے اسلام میں

مالی سزائیں دی جاتی تھیں، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔[1]

ردالمحتار میں ہے:”وفی شرح الآثار : التعزیر بالمال کان فی ابتداءالاسلام ثم نسخ

“ترجمہ: امام طحاوی علیہ الرحمۃ کی شرح معانی الآثار میں ہے: تعزیر بالمال کا حکم اسلام کی ابتداء میں تھا، پھر منسوخ کر دیا گیا۔[2]

سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت، شاہ امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:1340ھ/1921ء) لکھتے ہیں:”جرم کی تعزیر مالی جائز نہیں کہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل حرام۔“[3]

اور کسی کا مال ناحق طریقے سے لینے کے متعلق قرآن پاک میں ہے:﴿وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ترجمہ کنزالعرفان:”اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔“[4]

اس آیت کے تحت امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات: 671ھ/1273ء) لکھتے ہیں:”الخطاب بھذہ الایۃ یتضمن جمیع اُمۃِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم والمعنی:لا یاکل بعضکم مال اخیہ بغیرحق،فیدخل فی ھذا:القماروالخداع والغصوب وجحدالحقوق ومالاتطیب بہ نفس مالکہ“ترجمہ:اس آیت میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اُمت کو شامل ہے اور معنی یہ ہے کہ: تم میں سے کوئی بھی دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھائے، اس آیت کے عموم میں جُوا، دھوکے سے کوئی چیز لینا، غصب (چیز چھین لینا)، کسی کا حق دینے سے انکار کر کے اس کا حق دبا لینا، جس چیز کے دینے پر مالک راضی نہ ہو، اسے

1...(شرح نسائی، کتاب الزکوۃ، عقوبۃ مانع الزکوۃ، جلد8، صفحہ32، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

2...(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر، جلد6، صفحہ98، مطبوعہ کوئٹہ)

3...(فتاوی رضویہ، جلد19، صفحہ506، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاھور)

4...(پارہ2، سورۃ البقرۃ، آیت188)

لے لینا(وغیرہ سب شامل ہے)۔[1]

سننِ دار قطنی کی حدیثِ پاک میں ہے:”لا یحل مال امرء مسلم الا عن طیب نفس“ترجمہ: کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔[2]

علامہ ابنِ عابدین شامی دِمشقی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:1252ھ/1836ء) لکھتے ہیں:”لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی“ترجمہ: کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ بغیر کسی سببِ شرعی کے کسی کا مال لے۔[3]

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح

مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو الفیضان عرفان احمد مدنی

23جمادی الاولی 1446ھ/26نومبر 2024ء

فتویٰ 6:

کمیٹی چھوڑنے پر آخر میں رقم دینے کی شرط لگانا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کمیٹی کے ممبران میں سے اگر کوئی ممبر کسی وجہ سے درمیان میں کمیٹی چھوڑ دے، تو کیا اس کے لیے یہ شرط رکھ سکتے ہیں کہ چھوڑنے والے کے جتنے پیسے کمیٹی میں جمع ہیں، وہ کمیٹی ختم ہونے کے بعد ملیں گے؟

1...(تفسیر قرطبی، جلد2، صفحہ338، مطبوعہ دار الکتب، القاھرہ)

2...(سنن الدارقطنی، جلد3، صفحہ424، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

3...(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر، جلد6، صفحہ98، مطبوعہ کوئٹہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

سوال کا جواب معلوم کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ پوچھی گئی صورت میں جو رقم کمیٹی کی مد میں جمع کی ہے اس کی حیثیت قرض کی ہے اور قرض واپس کرنے کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا اُصول یہ ہے کہ قرض کی واپسی کی اگر کوئی تاریخ یا دن مقرر (Fix) کر بھی لیا جائے، تب بھی قرض دینے والے کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے اپنے قرض کا مطالبہ کر لے اور ایسی صورت میں وہ شرط باطل ہوتی ہے، شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

اس تفصیل کے بعد پوچھی گئی صورت کا جواب یہ ہے کہ کمیٹی کے شروع میں باہمی رضا مندی سے یہ شرط لگانا کہ جو کمیٹی چھوڑے گا اس کی رقم سب سے آخر میں ملے گی، اگرچہ جائز ہے ، لیکن یہ شرط شرعاً لازم نہیں، کمیٹی دینے والا پھر بھی طے کی گئی مدت سے پہلے اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے، اگرچہ اسے بھی چاہیے کہ شروع میں جو وعدہ کیا ہے، بغیر کسی مجبوری کے اس کی خلاف ورزی نہ کرے اور اگر بقیہ افراد تنگ دست ہوں کہ فوری قرض واپس نہ کر سکتے ہوں تو مہلت دینا واجب ہے اور اگر مقروض یعنی کمیٹی کے دیگر شرکاء رقم کی واپسی پر قدرت رکھتے ہوں تو بہر حال مطالبہ کے بعد بلا وجہ شرعی ٹال مٹول اور تاخیر کرنا، جائز نہیں، حدیثِ پاک میں اسے ظلم قرار دیا گیا ہے۔

قرض کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنا، جائز ہے، اس بارے میں ہدایہ کی شرح عنایہ اور بنایہ میں ہے:"(حتى لا يصح فيه الأجل) أي لا يلزم لأن تأجيل الاقراض والعارية جائز، لكن لا يلزم المضي على ذلک التأجيل"ترجمہ: قرض میں مدت طے کرنا صحیح نہیں یعنی لازم نہیں، کیونکہ

قرض اور عاریت کے لئے مدت مقرر کرنا، جائز ہے، لیکن طے کی گئی مدت کے مطابق وقت گزارنا لازم نہیں۔[1]

یونہی قرض کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنے کے جائز ہونے کے بارے میں نہر الفائق شرح کنز الدقائق میں ہے:"فقلنا بجوازہ غیر لازم"یعنی ہم(احناف) قرض میں ادائیگی کی مدت مقرر کرنے کو جائز تو کہتے ہیں، لیکن اس مدت کے لازم ہونے کے قائل نہیں ہیں۔[2]

قرض کی ادائیگی کی مدت مقرر کردی،تو یہ قرض دینا صحیح ہے، لیکن مدت مقرر کرنے کی شرط کا اعتبار نہیں کیا جائے گا،اس بارے میں علامہ کمال الدین ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:"(القرض فإن تأجیله لا یصح) ولو شرط الأجل في ابتداء القرض صح القرض وبطل الأجل"ترجمہ: قرض کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنا صحیح نہیں ہے اور اگر قرض کی ابتداء میں کسی مقررہ مدت تک قرض لوٹانے کی شرط لگادی تو قرض دینا صحیح ہوگا اور مدت مقرر کرنا باطل ہو جائے گا۔[3]

قرض میں مدت مقرر کرنے کے بارے میں سیدی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاوی رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں:"قرض کے لئے شرعاً کوئی میعاد نہیں، اگر مقرر بھی کی ہے، اس کی پابندی نہیں۔"[4]

قرض ادا کرنے کی قدرت ہونے کے باوجود جان بوجھ کر قرض لوٹانے میں ٹال

1...(العنایہ،جلد6،صفحہ163،مطبوعہ بیروت)(البنایہ،جلد7،صفحہ385،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ)

2...(نہر الفائق شرح کنز الدقائق،جلد3،صفحہ468،مطبوعہ، کراچی)

3...(فتح القدیر للکمال ابن الھمام،جلد6،صفحہ484،مطبوعہ کوئٹہ)

4...(فتاوی رضویہ،جلد17،صفحہ92،رضافاؤنڈیشن،لاھور)

مٹول (حیلے بہانے) کرنا ظلم ہے، جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے:"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: مطل الغني ظلم" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غنی یعنی قرض لوٹانے میں لوٹانے کی طاقت رکھنے والے صاحبِ استطاعت کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔[1]

اور مقروض کو مہلت دینے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:﴿ وَ اِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ترجمۂ کنز العرفان: "اور اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دو اور تمہارا قرض کو صدقہ کر دینا تمہارے لئے سب سے بہتر ہے اگر تم جان لو۔"

مفتی اہلِ سنت، شیخ القرآن، شیخ الحدیث ابو صالح مفتی محمد قاسم قادری صاحب دامت برکاتھم العالیہ اپنی مایہ ناز تفسیر، تفسیر صراط الجنان میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت لکھتے ہے:"یعنی تمہارے قرضداروں میں سے اگر کوئی تنگ دستی کی وجہ سے تمہارا قرض ادا نہ کر سکے، تو اسے تنگ دستی دور ہونے تک مہلت دو اور تمہارا تنگ دست پر اپنا قرض صدقہ کر دینا یعنی معاف کر دینا تمہارے لئے سب سے بہتر ہے، اگر تم یہ بات جان لو، کیونکہ اس طرح کرنے سے دنیا میں لوگ تمہاری اچھی تعریف کریں گے اور آخرت میں تمہیں عظیم ثواب ملے گا۔ (خازن)۔۔۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرضدار اگر تنگ دست یا نادار ہو تو اس کو مہلت دینا یا قرض کا کچھ حصہ یا پورا قرضہ معاف کر دینا اجرِ عظیم کا سبب ہے۔ احادیث میں بھی اس کے بہت فضائل بیان ہوئے ہیں۔"[2]

1...(صحیح البخاری، کتاب فی الاستقراض، جلد2، صفحہ109، حدیث2400، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

2...(تفسیر صراط الجنان، پارہ03، سورۃ البقرۃ، آیت280)

حدیث شریف میں ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”من سره أن ينجيه الله من كرب يوم القيامة، فلينفس عن معسر أو يضع عنه“ترجمہ: جسے یہ پسند ہو کہ اللہ پاک اسے قیامت کے دن غم سے بچائے، تو اُسے چاہیے کہ تنگدست کو مہلت دے یا اس کے اوپر سے بوجھ اُتار دے (یعنی قرض معاف کر دے)۔[1]

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو الفیضان عرفان احمد مدنی

19 جمادی الثانی 1445ھ/02 جنوری 2024ء

الجواب صحیح

مفتی محمد قاسم عطاری

فتوی 7:

کمیٹی لیٹ جمع کروانے پر مالی جرمانہ لگانا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض جگہوں پر دیکھا گیا ہے کہ کمیٹی ڈالی جاتی ہے، تو اس میں یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ کمیٹی ممبران پر ہر مہینے کی 10 تاریخ کو کمیٹی کے پیسے جمع کروانا لازم ہوں گے، اور اگر کوئی شخص کمیٹی جمع کروانے میں اس طے شدہ تاریخ سے تاخیر کرے گا، تو ہر دن کے حساب سے اسے 100 روپے جرمانہ دینا ہو گا، اب سوال یہ ہے کہ یہاں کمیٹی لیٹ جمع کروانے کی صورت میں مالی جرمانہ دینے کی شرط لگانا، جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

1...(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب فضل إنظار المعسر، صفحہ 845، حدیث 1563، مطبوعہ بیروت)

سوال میں بیان کردہ صورت میں کمیٹی لیٹ جمع کروانے پر ہر دن کے حساب سے 100 روپے یا کم و بیش کا مالی جرمانہ (Financial penalty) دینے کی شرط لگانا، جائز نہیں، کیونکہ یہ تعزیر بالمال ہے اور تعزیر بالمال منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا نا جائز و حرام ہے۔ نیز کئی صورتوں میں یہ جرمانہ سود بھی بنتا ہے اور سود بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اس میں دوسرے شخص کا مال ناحق طریقے سے لینا پایا جا رہا ہے اور دوسروں کا باطل طریقے سے مال کھانے کی قرآن و حدیث میں ممانعت اور مذمت بیان کی گئی ہے۔

کسی کا مال ناحق طریقے سے لینے کے متعلق قرآن پاک میں ہے: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ترجمہ کنز العرفان: اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔(1)

اس آیت کے تحت امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات: 671ھ/1273ء) لکھتے ہیں: ”الخطاب بھذہ الایة یتضمن جمیع اُمةِ محمد صلی اللہ علیه و سلم والمعنی: لا یاکل بعضکم مال اخیه بغیرحق ، فیدخل فی ھذا: القمار والخداع و الغصوب وجحدالحقوق ومالاتطیب به نفس مالکه“ ترجمہ: اس آیت میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اُمت کو شامل ہے اور معنی یہ ہے کہ: تم میں سے کوئی بھی دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھائے، اس آیت کے عموم میں جُوا، دھوکے سے کوئی چیز لینا، غصب (چیز چھین لینا)، کسی کا حق دینے سے انکار کرکے اس کا حق کھا جانا، جس چیز کے دینے پر مالک راضی نہ ہے، وہ لینا (وغیرہ سب شامل ہے)۔(2)

1...(پارہ2، سورۃ البقرۃ، آیت188)

2...(تفسیر قرطبی، جلد2، صفحہ338، مطبوعہ دارالکتب، القاھرہ)

سنن دار قطنی میں ہے:”لایحل مال امرء مسلم الاعن طیب نفس“ترجمہ: کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی رضا مندی کے لینا حلال نہیں ہے۔(1)

علامہ ابنِ عابدین شامی دِمشقی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:1252ھ/1836ء) لکھتے ہیں:”لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی“ترجمہ: کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ بغیر کسی سببِ شرعی کے کسی کا مال لے۔(2)

مالی جرمانے کے متعلق شرح نسائی شریف میں علامہ جلال الدین سیوطی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:911ھ/1505ء) لکھتے ہیں:”کان فی صدر الاسلام تقع العقوبات فی الأموال ثم نسخ“ترجمہ: ابتدائے اسلام میں مالی سزائیں دی جاتی تھیں، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔(3)

ردالمحتار میں ہے:”وفی شرح الآثار: التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ“ترجمہ: امام طحاوی علیہ الرحمۃ کی شرح الآثار میں ہے، تعزیر بالمال کا حکم اسلام کے ابتداء میں مشروع تھا، پھر منسوخ کر دیا گیا۔(4)

منسوخ پر عمل کرنے کے گناہ ہونے کے متعلق علامہ ابو المَعالی بخاری حنفی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:616ھ/1219ء) لکھتے ہیں:”والعمل بالمنسوخ باطل غیر جائز“ترجمہ: اور منسوخ پر عمل کرنا باطل ہے، جائز نہیں ہے۔(5)

1...(سنن الدارقطنی، جلد3، صفحہ424، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

2...(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر، جلد6، صفحہ98، مطبوعہ کوئٹہ)

3...(شرح نسائی، کتاب الزکوۃ، جلد8، صفحہ32، مطبوعہ دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت)

4...(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحدود، باب التعزیر، جلد6، صفحہ98، مطبوعہ کوئٹہ)

5...(المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، کتاب القضاء، جلد8، صفحہ71، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

امامِ اہلِ سنّت، شاہ امام احمد رضا خان رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:1340ھ/1921ء) لکھتے ہیں: ”جرم کی تعزیر مالی جائز نہیں کہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل حرام۔“[1]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح

مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو الفیضان عرفان احمد مدنی

17 جمادی الثانی 1445ھ/30 دسمبر 2023ء

فتویٰ 8:

شروع میں کمیٹی لینے والے کی کمیٹی سے 5 فیصد کٹوتی کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کمیٹی کے نمبروں کے تعین کے حوالے سے کافی جھگڑا رہتا ہے اور ہر کسی کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ شروع والے نمبروں میں سے کسی ایک نمبر میں کمیٹی مل جائے، لہٰذا ہم نے اس کے حل کے لیے یہ طے کیا ہے کہ جو شخص شروع کے 3 نمبروں میں کمیٹی لینا چاہتا ہے، اس کو کمیٹی کی ٹوٹل رقم میں سے 5 فیصد کٹوتی کروانی ہوگی، یہ کٹوتی کمیٹی جلدی لینے کی وجہ سے کی جائے گی اور جو افراد آخری 3 نمبر لینا چاہیں، تو انہیں کمیٹی کی ٹوٹل رقم سے 5 فیصد زیادہ دیا جائے گا، جو کہ شروع والی کمیٹیوں کی کٹوتی سے پورا کیا جائے گا، یہ اضافہ اس لیے ہے کہ انہوں نے تاخیر سے کمیٹی لی، جو افراد شروع اور آخر والے افراد کے علاوہ ہوں گے، انہیں کمیٹی کی پوری پوری رقم ادا کی جائے گی، اس میں کٹوتی یا اضافہ نہیں ہوگا۔ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

1...(فتاوی رضویہ، جلد19، صفحہ506، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

ایسی کمیٹی کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ یہ کمیٹی شروع کرنا اور اس میں شریک ہونا، ناجائز و حرام ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمومی طور پر کمیٹی میں جمع کروائی جانے والی رقم کی حیثیت قرض کی ہوتی ہے، کیونکہ بندہ جب رقم جمع کرواتا رہتا ہے، تو وہ رقم دوسروں پر قرض ہو جاتی ہے اور قرض پر مشروط نفع سود کہلاتا ہے، چونکہ سوال میں بیان کردہ طریقہ کار کے مطابق کمیٹی کی رقم کے لین دین میں 5 فیصد نفع کے لین دین کی شرط قرار دی گئی ہے کہ شروع والے تین افراد کی کمیٹی سے 5 فیصد کٹوتی کر کے آخر میں کمیٹی لینے والے افراد کو کمیٹی میں جمع کروائی گئی رقم سے 5 فیصد اضافی رقم دی جائے گی، جو کہ سود کا لین دین ہے کہ ابتدا والے افراد آخری افراد کو سود دیں گے اور درمیان والے افراد اس سودی معاہدے پر رضا مند ہوں گے، لہٰذا ایسی سودی کمیٹی شروع کرنا اور اس میں شریک ہونا، ناجائز و حرام ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں سود کی حرمت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمہ کنز العرفان: ”اور اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔“[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم **نے سود کا لین دین کرنے والے، لکھنے والے اور اس پر گواہ**

1...(پارہ 3، سورۃ البقرۃ، آیت: 275)

بننے والوں پر لعنت فرمائی اور ان سب کو گناہ میں برابر کا شریک ٹھہرایا، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال ھم سواء" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود لینے والے، دینے والے، اسے لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی اور فرمایا: یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔[1]

قرض پر مشروط نفع سود ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کل قرض جر منفعۃ فھو ربا" ترجمہ: رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر وہ قرض جو کچھ بھی نفع لائے، وہ سود ہے۔[2]

فتاوی رضویہ میں ہے: "اس قسم کے قول منقح ومحرر واصل محقق ومقرر یہ ہے کہ **بربنائے قرض کسی قسم کا نفع لینا مطلقاً سود وحرام ہے**۔۔۔ اور اگر اس بنا سے جدا ویسی ہی باہمی سلوک کے طور پر کوئی نفع وانتفاع ہو تو وہ مدیون کی مرضی پر ہے، اس کے خالص رضا واذن سے ہو تو رَوا، ورنہ حرام، **اب یہ بات کہ یہ انتفاع بربنائے قرض ہے یا بطور سلوک اس کے لئے معیار شرط و قرارداد ہے یعنی اگر قرض اس شرط پر دیا کہ نفع لیں گے تو وہ نفع بربنائے قرض حرام ہوا** اور اگر قرض میں اس کا کچھ لحاظ نہ تھا، پھر آپس کی رضامندی سے کوئی منفعت بطور احسان ومروّت حاصل ہوئی تو وہ بربنائے حسن سلوک ہے، نہ بربنائے قرض، تو مدار کار شرط پر ٹھہرا یعنی نفع مشروط سُود

1...(صحیح المسلم جلد2، صفحہ27، مطبوعہ کراچی)

2...(مسند الحارث، جلد1، صفحہ500، مطبوعہ مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ، المدینۃ المنورۃ)

اور نفع غیر مشروط سود نہیں۔“[1]

و اللہ اعلم عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح

مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو الفیضان عرفان احمد مدنی

17 جمادی الأخریٰ 1445ھ/30 دسمبر 2023ء

1...(فتاوی رضویہ، جلد 25، صفحہ 223، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاھور)

باب سوم

فی زمانہ رائج مختلف کمیٹیوں کی تفصیل اور ان کے احکام

فتویٰ 9:

فوتگی وغیرہ کے اخراجات کے لیے ڈالی جانے والی کمیٹی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم نے برادری کی سطح پر ایک کمیٹی بنائی ہے،جو فوتگی کے معاملات کے متعلق ہے ، کمیٹی کے قواعد و ضوابط یہ ہیں کہ:

(1)برادری میں سے جو شخص کمیٹی میں شامل ہونا چاہتا ہے، کمیٹی کو 1000 روپے بطور ممبر رکنیت جمع کروائے گا،اس کے علاوہ اس کے گھر میں جتنے شادی شدہ افراد ہوں گے فی شادی شدہ فرد کے حساب سے ماہانہ 200 روپیہ جمع کروائے گا،مثلاً اگر کسی کے گھر میں تین شادی شدہ افراد ہیں،توپہلے مہینے 1600 اوراس کے بعد ہر مہینے 600 روپے جمع کروائے گا۔

(2)برادری میں سے جو بھی ممبر بنے گا کمیٹی اس کے اہل خانہ کے فوتگی اخراجات کی ذمہ دار ہو گی، جو کہ مبلغ 15000 روپے تک ہوں گے،اگر اخراجات 15000 سے بڑھ جاتے ہیں تووہ فردبقیہ رقم کمیٹی کواداکرے گا۔

(3)اگر کوئی شخص پہلے کمیٹی میں شامل ہوالیکن کچھ عرصے بعد کمیٹی سے علیحدہ ہو گیا توادا شدہ چندہ واپس نہیں ملے گا۔

شرعی رہنمائی فرمائیں کہ یہ طریقہ کار جائزہے یانہیں؟اوراگر یہ طریقہ جائز نہیں تو شرعی تقاضوں کے مطابق درست طریقہ ارشاد فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

سوال میں مذکور طریقہ کے مطابق کمیٹی بنانا جائز نہیں ہے۔

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ صورت مسئولہ میں جو طریقہ اپنایا گیا ہے، یہ جوئے کی صورت ہے کہ کمیٹی میں شریک ہر فریق کو پیسے دینا لازم ہیں اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگرچہ کسی ممبر نے ابھی ایک ہی قسط جمع کروائی ہو گی، تو اس کو بھی بوقت ضرورت اتنی رقم ملے گی اور جس نے 50 قسطیں جمع کروادی ہوں گی اس کو اتنی ہی رقم ملے گی اور اگر کسی وجہ سے اس نے درمیان میں کسی سال ممبر شپ ختم کر دی تو اس کی تمام رقم ڈوب جائے گی، تو یوں کبھی تھوڑا سا مال لگا کر زیادہ مل رہا ہے اور کبھی زیادہ جمع کروا کر تھوڑا مل رہا ہے یا سارا ہی نہیں مل رہا، اور یہ جوئے کی صورت ہے کہ کبھی پرایا مال مل جائے اور کبھی اپنا مال بھی ضائع ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جوئے و شراب وغیرہ کی حرمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

ترجمہ کنز العرفان: ”اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور قسمت معلوم کرنے کے تیر ناپاک شیطانی کام ہی ہیں، تو ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“[1]

احادیثِ طیبات میں بھی جوئے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ”أن نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”نهی عن الخمر والمیسر“ ترجمہ: بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شراب اور جوئے سے منع فرمایا ہے۔[2]

المعجم الکبیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ”من لعب بالمیسر، ثم قام یصلی فمثله کمثل الذی یتوضأ بالقیح ودم الخنزیر، فتقول: اللہ یقبل له

1...(پارہ 7، سورۃ المائدۃ، آیت نمبر 90)

2...(سنن ابوداؤد، کتاب الاشربۃ، باب النہی عن المسکر، جلد 5، صفحہ 527، مطبوعہ دار الرسالۃ العالمیۃ)

صلاۃ"ترجمہ: جو جوا کھیلے، پھر نماز کے لئے کھڑا ہو، تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے، جو پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کرتا ہے۔ تو تم یہ کہو گے کہ اللہ عزوجل اس بندے کی نماز قبول فرمائے گا؟ (یعنی جس طرح اس شخص کی نماز قبول نہیں اسی طرح جوا کھیلنے والے کی بھی قبول نہیں۔)[1]

رد المحتار، البحر الرائق، تبیین الحقائق اور المحیط البرہانی میں ہے: (والنظم للاٰخِر):"ان القمار مشتق من القمر الذي يزداد وينقص، سمي القمار قماراً؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويستفيد مال صاحبه، فيزداد مال كل واحد منهما مرة وينتقص أخرى، فإذا كان المال مشروطاً من الجانبين كان قماراً، والقمار حرام، ولأن فيه تعليق تمليك المال بالخطر، وإنه لا يجوز"ترجمہ: لفظ قمار قمر سے مشتق ہے، جو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، قمار کو قمار اس لئے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر آدمی کے بارے یہ امکان ہوتا ہے کہ اس کا مال دوسرے کے پاس چلا جائے یا وہ دوسرے کا مال لے لے تو ان میں سے ہر ایک کا مال کبھی زیادہ ہو جاتا ہے کبھی کم ہو جاتا ہے، لہٰذا جب مال دونوں طرفوں سے مشروط ہے، تو یہ جوا ہو گا اور جوا حرام ہے اور اس وجہ سے کہ اس میں مال کا مالک بننے کو خطر پر معلق کرنا پایا جارہا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔[2]

اس کمیٹی کا درست طریقہ کار

البتہ اس کمیٹی کو چلانے کا درست طریقہ کار یوں اپنایا جا سکتا ہے:

چندہ کمیٹی چلانے کے لیے درست طریقہ کار یہ اپنایا جا سکتا ہے کہ:

1...(المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 22، صفحہ 292، مطبوعہ القاہرہ)

2...(المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، جلد 5، صفحہ 323، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(1)برادری میں ممبر شپ دینے کے لیے جو معیار بنانا چاہیں بنالیں، لیکن ممبر شپ کی کوئی فیس نہ ہو۔

(2)اس کے بعد تمام فریق یا جن کو اللہ عزوجل نے توفیق دی ہو وہ ہر ماہ یا ششماہی یا سالانہ اس میں پیسے بطور چندہ جمع کروائیں۔ لیکن یہ چندہ دینا آپشنلی (اختیاری ہو) ہو یعنی اگر کوئی دے تو بھی ٹھیک اگر کوئی نہ دے پھر بھی ٹھیک۔

(3)چندہ نہ دینے کی وجہ سے نہ مدد روکی جائے اور نہ ہی کمیٹی سے نکالا جائے۔

(4)مزید یہ کہ چندہ دینے والوں میں سے اگر کوئی فوت ہو گیا، تو اس کی فوتگی کے وقت تک جو استعمال ہو گیا سو ہو گیا اور جو اس کا مال بچ گیا وہ کمیٹی کے پاس امانت ہو گا اور وہ حصہ رسد کے ساتھ ورثاء کو واپس کرنا لازم ہو گا۔ مثلاً چار ممبر نے سو سو روپیہ دیا اور یوں ٹوٹل چار سو روپیہ جمع ہوا، ان میں سے ابھی دو سو روپیہ خرچ ہوا تھا کہ ایک ممبر فوت ہو گیا، تو حصہ رسد کے اعتبار سے ہر ممبر کے پچاس روپے بچتے ہیں، تو یہ پچاس روپے ورثا کو واپس کرنا ہوں گے۔ ہاں! اگر سب ورثاء بالغ ہوں اور وہ سب اجازت دیدیں، تو وہ رقم کمیٹی میں استعمال ہو سکتی ہے۔

(5)البتہ! اس کا حساب رکھنا بہت مشکل ہے کہ کس ممبر کا کتنا مال لگ گیا ہے اور کتنا باقی ہے، لہذا اس کا حل یہ ہے کہ ابتداء میں پہلے پچھلی رقم کو صفر کیا جائے اور پھر نیا چندہ لیا جائے اور شرائط میں یہ شرط رکھ دی جائے کہ اگر کوئی ممبر سال مکمل ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گیا، تو اس کا سارا مال ورثاء کو واپس کر دیا جائے گا اور مدد اس کے علاوہ ہو گی۔

فتاوی رضویہ میں ہے: ”چندہ کا روپیہ جو کام ختم ہو کر بچے لازم ہے کہ چندہ دینے والوں کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا وہ جس کام کے لئے اب اجازت دیں اس میں صرف ہو، بے ان کی

اجازت کے صرف کرنا حرام ہے۔“[1]

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ”چندہ کا روپیہ چندہ دینے والوں کا مِلک رہتا ہے جس کام کے لئے وہ دیں جب اُس میں صَرف نہ ہو تو فرض ہے کہ انہیں کو واپس دیا جائے یا کسی دوسرے کام کے لئے وہ اجازت دیں اُن میں جو نہ رہا ہو ان کے وارثوں کو دیا جائے یا ان کے عاقل بالغ جس کام میں اجازت دیں۔“[2]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــہ

مفتی ابو الحسن محمد ہاشم خان عطاری

17 ذو القعدۃ الحرام 1442ھ/28 جون 2021ء

فتویٰ 10:

عمرہ کمیٹی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا اپنا کاروان ہے، میرا ارداہ عمرہ کمیٹی ڈالنے کا ہے، جس میں کمیٹی ہولڈر ہر ماہ 8000 روپے کے حساب سے 12 ماہ تک رقم جمع کروائے گا، جب آدھی کمیٹی جمع ہو جائے گی، تو اسے اپنے ہی کاروان سے ٹکٹ وغیرہ دے کر عمرہ پر بھیج دوں گی اور بقیہ رقم کمیٹی ہولڈر واپس آکر جمع کروائے گا۔ شرعی رہنمائی فرمائیں کہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے کہ یہ کمیٹی شریعت کے مطابق ہو۔

بسمِ اللہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

1...(فتاوی رضویہ، جلد 16، صفحہ 206، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

2...(فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ 563، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

درج ذیل شرائط کا پاس کیا جائے،تو عمرہ کمیٹی آسان طریقے سے شرعی اصولوں کے مطابق ہو جائے گی:

(1) جمع ہونے والی کمیٹیوں کو اپنے استعمال میں نہ لائیں، بلکہ امانت کے طور پر وہی نوٹ جو انہوں نے جمع کروائے اپنے پاس محفوظ رکھیں۔

(2) ساتویں مہینے یا جتنے پر کمیٹی ہولڈر اور آپ کی باہمی رضامندی ہو جائے وہ اپنی مرضی سے آپ کو وہ رقم عمرہ کے لیے دے دے۔

(3) عمرہ پیکج آپ نے کتنے میں اسے دیا وہ اسے دیتے وقت ہی بتا دیں کہ اتنے کا آپ کو پیکج دیا۔

(4) اسی وقت اس سے طے کر لیا جائے کہ اتنے ماہ تک بقیہ ساری رقم آپ جمع کروائیں گے اور ہر ماہ اتنی رقم جمع کروائیں گے۔

(5) جتنی کمی عمرہ پیکج میں رہ گئی ہو بعد میں اس سے صرف اتنی ہی رقم وصول کی جائے، قسط کے لیٹ ہونے پر جرمانہ یا رقم کا ضبط کرنا نہ ہو۔

اور عمرہ کی ادائیگی کے بعد والی جو رقم وہ عمرہ کرنے والا پیکج کا ادھار چکانے کے لیے جمع کروائے گا وہ اسی وقت اپنے استعمال میں لائی جا سکتی ہے کہ یہ عمرہ پیکج کا بدل ہے امانت نہیں ہے۔

نوٹ: یہ فتویٰ مذکورہ بالا شرائط پائے جانے کی صورت سے متعلق ہے۔اس کے علاوہ کسی قسم کی شرط لگائی گئی تو اس صورت کا اس سے تعلق نہیں ہو گا۔اگر کوئی اور شرط رکھنی ہو تو اس کو لگانے سے پہلے دارالافتاء اہلسنت سے رجوع کر لیا جائے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم نے وہی نوٹ باقی رکھنے کا اس لیے کہا ہے تاکہ بعد میں عمرہ کے لیے آدھی رقم پر ادھار عمرہ پیکج لینے سے کسی طرح سود والی صورت نہ بنے کیونکہ اگر وہ نوٹ استعمال کر لیے گئے تو یہ رقم قرض ہو جائے گی اور اس صورت میں اگر دلالۃ یا صراحۃ یہ طے ہوا کہ اس رقم کے بدلے آدھی رقم کے ادھار پر عمرہ پیکج دیا جائے گا تو یہ سود والی صورت بن جائے گی کہ اس میں ایک تو رقم کے بدلے عمرہ پیکج کا نفع اور دوسرا ادھار کا نفع۔ اور قرض پر کسی طرح کا نفع لینا سود ہے۔

حدیث پاک میں ہے: ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کل قرض جر منفعة فهو ربا“ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر وہ قرض جو نفع کھینچے تو وہ سود ہے۔[1]

امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یہ سب اس صورت میں ہے کہ واقع میں وہ عقد بیع شرعی ہو بعض دستاویزیں رس کی جو آج کل دیکھنے میں آئیں ان کا مضمون یہ ہے کہ (جو کہ مبلغ اس قدر یافتنی فلان بن فلاں کے میرے ذمہ واجب الادا ہیں اقرار کرتا ہوں اور لکھے دیتا ہوں کہ بعض مبلغان مذکور کے مال اس کا شت ۱۳۰۰ف جس کا پیداوار ۱۳۰۱ میں ہوگا وقت تیار ہو جانے بیل کے اس نرخ سے فلاں ماہ تک ادا کروں گا اپنے خرچ میں کسی طرح نہ لاؤں گا) اور سنا گیا کہ عام دستاویز اسی مضمون کی ہوتی ہیں اگر فی الواقع زبانی بھی کلمات بیع درمیان نہیں آتے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے رس تیرے ہاتھ بیچا، نہ

1...(مسند الحارث، جلد1، صفحہ500، مرکز خدمة السنة والسيرة النبوية، المدينة المنورة)

یہ کہتاہے کہ میں نے خرید ابلکہ اسی قسم کی گفتگو ہوتی ہے تو اسے بیع سے اصلا علاقہ نہیں، یہ تو ایک وعدہ واقرار ہے کہ زر مطالبہ اس راہ سے ادا کروں گا..... تو وہ روپیہ اسی لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے عوض رس لیں گے اور اسی بناء پر لیتا ہے تو اگرچہ بیع نہ سہی مگر قرض کے ذریعہ سے نفع حاصل کرنا ہے اور وہ سود ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”کل قرض جو منفعۃ فھو ربا“ جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ اب اس عقد کا حاصل یہ ہوا کہ اتنا روپیہ تجھے قرض دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو اس کے عوض مجھے اتنا رس دے قرض اگرچہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے۔..... مگر ایسا قرض خود ہی معصیت وحرام ہے۔۔۔اور یہاں صراحۃ شرط نہ بھی کریں تاہم بحکم عرف اس کا مشروط ہونا قرض دینے لینے والے دونوں پر ظاہر وآشکارہ ہوتا ہے۔ والمعھود عرفا کالمشروط لفظا۔“[1]

باہمی رضامندی کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس کے بغیر کسی کا مال کھانے کو قرآن پاک میں منع فرمایا گیا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ ترجمہ کنز العرفان: اے ایمان والو! باطل طریقے سے آپس میں ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ، البتہ یہ (ہو) کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔ بیشک اللہ تم پر مہربان ہے۔[2]

اور عمرہ پیکج جتنے میں دیا وہ ساری رقم بتانے کا اس لیے کہا تا کہ اس پیکج کا بدل مجہول نہ

1...(فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ586-588، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاهور)

2...(سورۃ النساء، پارہ5، آیت29)

رہے، کیونکہ بدل کے مجہول ہونے سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ اور عقدِ فاسد کرنا گناہ ہے، جس کا ختم کرنا واجب ہوتا ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے: ”جهالة البدل تؤدي إلى المنازعة فتوجب فساد العقد“ ترجمہ: بدل کی جہالت جھگڑے کی طرف لے کر جاتی ہے اس لیے عقد کے فساد کو لازم کرتی ہے۔[1]

پیکج میں ادھار ہونے والی رقم کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنے کا اس لیے کہا ہے کہ اس صورت میں مدت کے مجہول ہونے سے عقد فاسد ہو جاتا ہے اور عقدِ فاسد کرنا گناہ ہے، جس کا ختم کرنا واجب ہوتا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: ”جهالة الأجل المشروط في العقد، وإن كانت متقاربة توجب فساد العقد؛ لأنها تفضي إلى المنازعة“ ترجمہ: جو مدت عقد میں مشروط ہو اس کی جہالت اگرچہ متقاربہ ہو، وہ عقد کے فساد کو لازم کرتی ہے، کیونکہ یہ جھگڑے کی طرف لے جاتی ہے۔[2]

محیط برہانی میں ہے: ”العقد الفاسد يجب نقضه وابطاله“ ترجمہ: عقد فاسد کو ختم کرنا واجب ہے۔[3]

جرمانے یا ضبط کرنے کی نفی اس لیے کی ہے کہ یہ تعزیر بالمال (مالی سزا) ہے اور تعزیر بالمال ناجائز و حرام ہے۔ فتاوی رضویہ میں ہے: ”جرم کی تعزیر مالی جائز نہیں کہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل حرام ہے۔“[4]

1...(بدائع الصنائع، کتاب البیوع، جلد6، صفحہ48، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

2...(بدائع الصنائع، کتاب البیوع، فصل فی شرائط الصحۃ فی البیوع، جلد5، صفحہ179، مطبوعہ بیروت)

3...(المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی، کتاب الاجارات، جلد7، صفحہ465، مطبوعہ بیروت)

4...(فتاوی رضویہ، جلد19، صفحہ506، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، لاھور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی ابو الحسن محمد ھاشم خان عطاری

کتبـــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد عرفان مدنی
06ربیع الاول1438ھ/06دسمبر2016

فتویٰ11:

قرعہ اندازی کے ذریعے عمرہ کمیٹی کے جواز کی صورت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم ایک عمرہ کمیٹی ڈال رہے ہیں، جس میں ادائیگی روزانہ 90روپے ہوگی اور کل رقم 1،16،100اکٹھی ہوگی اور تینتالیس ماہ تک یہ کمیٹی چلے گی اور ہر ماہ قرعہ اندازی کرکے کمیٹی کے 100 ممبران میں سے ایک فرد کی کمیٹی نکالی جائے گی اور جو باقی بچیں گے یعنی جن کی قرعہ اندازی میں کمیٹی نہیں نکلے گی ان کو آخر میں ان کی ساری رقم ادا کر دی جائے گی یا اگر وہ چاہیں تو ان کو عمرہ کے لئے انتظام کر کے دے دیا جائے گا اور اسی طرح تینتالیس کمیٹیوں میں سے جس کی بھی کمیٹی نکلے گی اس کو بھی اس کی رقم ادا کی جائے گی اور اگر وہ ہمارے ساتھ عمرہ کرنا چاہے یعنی ہمارے ذریعے سے عمرہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے ،اس کے لئے عمرہ کا انتظام کر دیا جائے گا ورنہ اس کی کمیٹی میں نکلی ہوئی رقم اس کو دے دی جائے گی۔ اور اس کمیٹی کی درج ذیل شرائط ہوں گی۔

(1)جب تک آپ کی کمیٹی نہیں نکلتی، تو آپ کی رقم ہم کسی بھی جائز کام میں خرچ کر سکتے ہیں؟

(2)جس کی کمیٹی نکل آئے اور وہ اپنی کمیٹی لے لے یا پھر عمرہ کر آئے اور بعد میں کمیٹیاں ادا نہ کرے یا دینے میں تنگ کرے، تو اس کے خلاف قانونی کاروائی کی جا سکتی ہے۔

(3) جو شخص ہمارے ذریعے سے عمرہ کا انتظام کرنا چاہے، تو کمیٹی میں نکلی ہوئی رقم سے اگر زائد پیسے استعمال ہوئے تو اسے دینے ہوں گے اور اگر کم لگے تو بقیہ ہم واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔

(4) جس کی کمیٹی 10 تاریخ تک نہ آئے گی، اس کا نام اس ماہ کی قرعہ اندازی میں شامل نہ کیا جائے گا، البتہ اگلے ماہ اس کا نام پچھلی کمیٹی آنے کی صورت میں بغیر کسی جرمانے کے قرعہ اندازی میں شامل کر لیا جائے گا۔

لہذا بتایئے کہ مذکورہ شرائط کے مطابق کمیٹی ڈالنا شرعی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟

بسمِ اللہ الرَّحمنِ الرَّحِیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

صورتِ مسئولہ میں بیان کردہ اسکیم کا طریقہ اور شرائط کو بغور دیکھ لیا گیا ہے، جو کہ ایک عام کمیٹی کی ہی صورت بنتی ہے اور عمرہ کی ٹکٹ ممبر کے کہنے پر ہو گی اگر وہ چاہے گا تو اسے عمرہ کا انتظام کر کے دے دیا جائے گا، ورنہ رقم دینا تو طے ہو گا اور عمرہ کی صورت میں جو رقم بچے گی وہ واپس کر دی جائے گی اور زیادہ اخراجات آنے کی صورت میں ممبر اضافی رقم دینے کا پابند ہو گا، پس بیان کردہ طریقہ کار درست و جائز ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ آج کل عموماً جو اسکیمیں چل رہی ہیں ان میں اکثر ایسی شرائط ہوتی ہیں جو شریعت کے قواعد و ضوابط کے مخالف ہوتی ہیں، ایسی کوئی بھی نئی اسکیم آئے یا مذکورہ شرائط ہی میں کچھ تبدیلی کر لی جائے، تو مستند و معتمد علماء اہلسنت سے اس کے بارے میں شرعی حکم معلوم

کرنے کے بعد ہی اس میں حصہ لیا جائے۔

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبــــــــــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
24 ذو القعدۃ الحرام 1432ھ 23 اکتوبر 2011ء

فتویٰ 12:

فلاحی عمرہ کمیٹی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم ایک عمرہ کمیٹی اسکیم شروع کرنا چاہتے ہیں، جس کی شرائط یہ ہیں:

(1) کمیٹی 36 ماہ پر مشتمل ہو گی اور ہر ماہ 3000 روپے کمیٹی دینا ہو گی۔ ہر ماہ، پانچ تاریخ تک کمیٹی ادا کرنا ہو گی اور کمیٹی وقت پر ادا نہ کرنے والے امیدوار کا نام قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیا جائے گا اور اس کی مکمل رقم اسکیم ختم ہونے کے بعد دی جائے گی۔

(2) ہر بارہ ماہ بعد بارہ افراد کو عمرے پر بھیجا جائے گا، کمیٹی چونکہ عمرے کے لئے ڈالی جا رہی ہے اس لئے کسی بھی ممبر کو رقم ادا نہیں کی جائے گی عمرے کا پیکج دیا جائے گا۔ کمیٹی ہولڈر عمرہ کا پیکج کسی کاروان والوں سے خرید کر ممبران کو دیں گے اور عموماً ایسے مہینوں (جیسے محرم، صفر) میں پیکج لیں گے جن میں پیکج سستا ہوتا ہے اور پیکج میں ویزہ، رہائش، ٹکٹ اور زیارتوں کی سہولیات مارکیٹ کے مطابق ہوں گی۔ پیکج مہنگا ہونے کی صورت میں مزید رقم نہیں لی جائے گی، دیگر کی کمیٹی سے بچ جانے والی رقم سے پوری کی جائے گی اور سستا ہونے کی صورت میں کچھ

واپس نہیں کیا جائے گا کمیٹی ہولڈر باقی رقم رکھ لیں گے۔

(3) اگر کسی ممبر نے عمرہ کر لیا اور اس کے بعد خدانخواستہ وہ فوت ہو گیا، تو اس کے لواحقین سے کمیٹی نہیں لی جائے گی۔ بلکہ اس کی کمیٹی کی باقی رقم دیگر ممبران سے لی جائے گی، ہر ممبر اپنے حصے میں آنے والی رقم اپنی کمیٹی کے علاوہ اضافی ادا کرے گا تاکہ فوت شدہ ممبر کی کمیٹی کی رقم پوری کی جاسکے۔

(4) اگر کوئی ممبر کمیٹی توڑتا ہے، تو اس کی رقم کمیٹی ختم ہونے کے بعد ادا کی جائے گی۔ اس سے پہلے نہیں دی جائے گی۔

(5) اگر کوئی ممبر عمرہ پر جانے سے پہلے فوت ہو گیا، تو اس کی جمع کروائی گئی مکمل رقم اس کے ورثا کو واپس کی جائے گی۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا یہ اسکیم شروع کرنا جائز ہے؟

نوٹ: کمیٹی ہولڈرز بھی اس کمیٹی کے ممبر ہوں گے اور کمیٹی میں جمع ہونے والی رقم کو وہ ممبران کی اجازت سے اپنی ضروریات میں خرچ کر لیں گے، پھر جس ممبر کا قرعہ اندازی میں نام نکلے گا اسے اپنے پاس سے عمرہ کا پیکج خرید کر دیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

مذکورہ بالا طریقے پر اسکیم ناجائز شرائط پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز و حرام ہے، لہٰذا ان شرائط کے ساتھ یہ اسکیم شروع کرنا ناجائز ہے اور اس میں شامل ہونا بھی ناجائز ہے۔

تفصیل اس میں یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں اسکیم سود اور جوا پر مشتمل ہے۔ سود اس

میں یوں ہے کہ ایک ممبر نے جتنی رقم جمع کروائی وہ نہ تو تحفہ (ہبہ) ہے اور نہ ہی امانت، بلکہ قرض ہے۔ تحفہ اس لئے نہیں کہ یہاں بلا عوض مالک بنانا مقصود نہیں۔ اور امانت اس لئے نہیں کہ امانت والے پیسوں کو خرچ نہیں کرسکتے، بلکہ بعینہ وہی رقم واپس کرنی ہوتی ہے، جبکہ یہاں کمیٹی ہولڈرز وہ رقم استعمال کرتے ہیں اور اس کی مثل رقم دینا ان پر لازم ہوتا ہے اور یہی قرض ہے۔ یاد رہے کہ قرض ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرض کا لفظ ہی استعمال کیا جائے، بلکہ اگر قرض کا لفظ استعمال نہ کیا لیکن مقصود وہی ہے جو قرض سے ہوتا ہے، تو وہ قرض ہی ہوگا، کیونکہ عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: ”إذا لم یمکن تصحیحها مضاربة تصح قرضا لأنه أتی بمعنی القرض والعبرة فی العقود لمعانیها“ ترجمہ: جب اس کو مضاربت نہیں بناسکتے، تو وہ قرض ہو جائے گا، کیونکہ یہ قرض کے معنی میں ہے اور عقود میں ان کے معانی کا اعتبار ہوتا ہے۔[1]

ثابت ہوا کہ وہ رقم قرض ہے اور اسکیم میں یہ طے کیا گیا کہ پیکج اگر اس کی جمع کروائی گئی اقساط سے مہنگا ہوا، تو اس سے مزید کوئی رقم نہیں لی جائے گی، یہ سود ہے کہ قرض پر مشروط نفع لینا سود ہے، نیز قرض کی غیر جنس سے ادائیگی کی شرط کرنا بھی ناجائز و سود ہوتا ہے اور یہاں روپے قرض ہیں اور اس کی ادائیگی غیر جنس پیکج ٹکٹ وغیرہ سے مشروط ہے، جو کہ ناجائز ہے۔

حدیث پاک میں ہے: ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: کل قرض جر منفعة فهو ربا“ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر وہ قرض جو کچھ بھی نفع لائے، وہ سود ہے۔[2]

1...(بدائع الصنائع، کتاب البیوع، جلد6، صفحہ86، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

2...(مسند الحارث، جلد1، صفحہ500، مرکز خدمة السنة والسیرة النبویة، المدینة المنورة)

فتاوی رضویہ میں ہے:"اس قسم کے قول منقح ومحرر واصل محقق ومقرریہ ہے کہ بربنائے قرض کسی قسم کا نفع لینا مطلقاً سودو حرام ہے۔۔۔اوراگراس بنا سے جدا ویسی ہی باہمی سلوک کے طور پر کوئی نفع وانتفاع ہو تووہ مدیون کی مرضی پر ہے اس کے خالص رضاواذن سے ہو تو رَوا ورنہ حرام،اب یہ بات کہ یہ انتفاع بربنائے قرض ہے یابطور سلوک اس کے لئے معیار شرط و قرارداد ہے یعنی اگر قرض اس شرط پر دیا کہ نفع لیں گے تووہ نفع بربنائے قرض حرام ہوا، اوراگر قرض میں اس کا کچھ لحاظ نہ تھا،پھر آپس کی رضامندی سے کوئی منفعت بطوراحسان ومروّت حاصل ہوئی، تو وہ بربنائے حسن سلوک ہے نہ بربنائے قرض، تومدار کارشرط پر ٹھہرا یعنی نفع مشروط سُود اور نفع غیر مشروط سود نہیں۔"[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:"یہاں تووہ روپیہ اسی لئے دیاجاتاہے کہ اس کے عوض رس لیں گے اوراسی بناء پرلیتاہے تواگرچہ بیع نہ سہی مگر قرض کے ذریعہ نفع حاصل کرناہوا اوروہ سود ہے رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:"کل قرض جرمنفعة فھوربا "(جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے)اب اس عقد کاحاصل یہ ہوا کہ اتنارو پیہ تجھے قرض دیتاہوں اس شرط پر کہ تواس کے عوض مجھے اتنارس دے قرض اگرچہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے۔۔۔مگر ایسا قرض خودہی معصیت وحرام ہےفی الدر عن الخلاصة القرض بالشرط حرام و الشرط لغو در میں خلاصہ سے ہے کہ شرط کر کے قرض دینا حرام ہے اور شرط لغو ہے۔"[2]

1...(فتاوی رضویہ، جلد25، صفحہ223، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن لاھور)

2...(فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ588، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاھور)

اور جوا اس میں اس طرح ہے کہ ہر ایک اپنے مال کو بغیر کسی عقدِ شرعی کے خطر پر پیش کر رہا ہے کہ جب قرعہ اندازی میں اس کا نام آئے گا تو پیکج یا تو اس کی کمیٹی کی کل رقم سے مہنگا ہو گا، تو اسے دوسروں کا مال مل جائے گا یا سستا ہو گا، تو اپنا بھی کچھ جائے گا۔ اور بغیر کسی عقدِ شرعی کے اپنے مال کو خطر پر پیش کرنا جوا ہے اور جوا شرعاً حرام ہے۔ اللہ عزوجل کے فرمان کے مطابق جوا بہت بڑا گناہ، ناپاک و شیطانی کام ہے، جس سے بچنے میں ہی انسان کی فلاح ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ٘ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ ترجمہ کنزالعرفان: تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں تم فرماؤ جو فاضل بچے اسی طرح اللہ تم سے آیتیں بیان فرماتا ہے۔[1]

ایک دوسرے مقام پر اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالعرفان: ”اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور قسمت معلوم کرنے کے تیر ناپاک شیطانی کام ہی ہیں تو ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“[2]

المبسوط للسرخسی میں ہے: ”ثم ھذا تعلیق استحقاق المال بالخطر وھو قمار، والقمار حرام فی شریعتنا“ یعنی پھر یہ مال کے مستحق ہونے کو خطر پر معلق کرنا ہے اور یہ قمار ہے اور قمار ہماری شریعت میں حرام ہے۔[3]

1...(پارہ2، سورۃُ البَقَرۃ، آیت:219)

2...(پارہ7، سورۃ المائدۃ، آیت نمبر90)

3...(المبسوط للسرخسی، کتاب الاباق، جلد11، صفحہ18، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے:''صرف طمع کے جال میں لوگوں کو پھانسنا اور ایک امید موہوم پر پانسا ڈالنا ہے اور یہی قمار ہے۔''(1)

نیز کمیٹی ہولڈرز کا ممبران کی کمیٹی سے بچ جانے والی رقم رکھ لینا، ناجائز و باطل طریقے سے دوسروں کا مال لینا ہے کہ کسی عقدِ شرعی کے بغیر لے رہے ہیں۔ چنانچہ فتاوی رضویہ میں ہے:''عقد نہیں وراثت نہیں مال مباح نہیں کوئی وجہ شرعی اس سے لینے کی نہیں تو نہ ہوا مگر باطل، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔''(2)

یوں ہی شرط نمبر 3 میں بھی اپنے مال کو خطر پر پیش کرنا شائبہ ہے کہ اگر عمرہ کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا، تو دیگر کا کچھ مال جو یہ لے چکا ہو گا اس کے ترکہ سے واپس نہیں لیا جائے گا۔ اور اگر کسی اور کے ساتھ یہی معاملہ ہوا، تو اسے اس کی رقم پوری کرنے کے لئے مزید رقم دینا پڑے گی۔

مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ بیمہ حرام ہونے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:''پھر زندگی کے اور دیگر ہر قسم کے بیمے میں جوا بھی شامل ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ زندگی کے بیمے کی کتنی قسطیں ادا کرے گا کہ موت آجائے گی اور وہ پوری رقم (جتنے کا بیمہ تھا) اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔ اور اگر زندہ رہ گیا تو دی ہوئی رقم مع سود کے واپس مل جائے گی۔''(3)

بیمہ کے متعلق فتاوی رضویہ میں ہے:''جس کمپنی سے یہ معاملہ کیا جائے اگر اس میں

1...(فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ330، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

2...(فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ391، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

3...(وقار الفتاوی جلد1، صفحہ240، مطبوعہ بزم وقار الدین، کراچی)

کوئی مسلمان بھی شریک ہے، تو مطلقاً حرام قطعی ہے کہ **قمار ہے اور اس پر جو زیادت ہے ربا، اور دونوں حرام وسخت کبیرہ ہیں۔**"[1]

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں مرنے والے کو کوئی مال نہیں مل رہا، بلکہ دلالۃً ہر ممبر گویا دوسرے کو یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ تم اگر مر گئے تو میرا دین تجھے معاف ہے؟ تو جواباً عرض ہے کہ مال کو خطر پر پیش کرنا، تو اس میں پایا جارہا ہے کہ یا تو دوسروں کی کمیٹی اسے پوری کرنی پڑے گی یادوسروں کا مال مل جائے گا واپس نہیں کرنا پڑے گا، یہی امید موہوم قمار ہے۔ البتہ دین معاف کرنے والی جہت کو اگر لیا جائے تو بھی یہ شرط درست نہیں کہ مدیون کو یہ کہنا کہ اگر تم مر گئے تو یہ دین معاف ہے۔ درست نہیں کہ یہ ابرا کی خطر پر تعلیق ہے جو درست نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: "ولو قال: إن مت أي بفتح التاء لا يبرأ وهو مخاطرة كإن دخلت الدار فأنت بريء لا يبرأ اهـ. وفيها: لو قالت المريضة لزوجها إن مت من مرضى هذا فمهري عليک صدقة أو أنت فی حل منه فماتت فيه فمهرها عليه لأن هذه مخاطرة فلا تصح اهـ" یعنی اگر مدیون کو کہا کہ اگر تو مر گیا تو دین سے بری ہے، تو وہ دین سے بری نہیں ہو گا اور یہ مخاطرہ ہے جیسا کہ یہ کہا اگر تو گھر میں داخل ہو گیا تو تو بری ہے تو وہ دین سے بری نہیں ہو گا اور اسی طرح اگر مریضہ نے اپنے شوہر کو کہا اگر میں اپنے اس مرض میں مر گئی، تو میرا مہر تجھ پر صدقہ ہے یا تو اس سے بری ہے، پھر وہ عورت مر گئی، تو اس کا مہر شوہر پر لازم رہے گا، کیونکہ یہ مخاطرہ ہے جو کہ درست نہیں۔[2]

1...(فتاوی رضویه، جلد23، صفحه595، مطبوعه رضافاونڈیشن، لاهور)

2...(ردالمحتارعلی الدرمختار، كتاب البيوع، فصل فی المتفرقات، جلد7، صفحه534، مطبوعه كوئٹه)

بہار شریعت میں ہے:"اگر یہ کہا کہ تو مر جائے تو دَین معاف ہے یہ ابرا صحیح نہیں۔"[1]

شرط نمبر 1 اور 4 کا مسئلہ یہ ہے کہ قرض میں مدت مقرر بھی کر دی جائے تب بھی وہ میعادی نہیں ہوتا بلکہ قرض دینے والا جب چاہے مطالبہ کر سکتا ہے۔ بہار شریعت میں ہے:"بعض دَین میں میعاد مقرر بھی کی جائے تو میعادی نہیں ہوتے۔ قرض جس کو دست گردان کہا جاتا ہے یہ میعادی نہیں ہو سکتا یعنی مقرض (قرض دینے والے) نے اگر کوئی میعاد مقرر کر بھی دی ہو تو وہ میعاد اُس پر لازم نہیں، جب چاہے مطالبہ کر سکتا ہے۔"[2]

لہٰذا اگر یہ شرط لگا بھی دی کہ وقت پر قسط ادا نہ کرنے والے شخص کو اور کمیٹی توڑنے والے شخص کو اسکیم کے اختتام سے پہلے اس کی رقم نہیں دی جائے گی، تب بھی یہ شرط لازم نہیں ہو گی اور قرض خواہ اگر مطالبہ کرے تو مقروض دینے پر قدرت کے باوجود اس شرط کو پیش کر کے ٹال مٹول نہیں کر سکتا۔

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ مذکورہ اسکیم متعدد ناجائز و حرام شرائط پر مشتمل ہے، لہٰذا ان شرائط کے ساتھ یہ اسکیم شروع کرنا، اس میں شامل ہونا، جائز نہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ سود و جوئے سے حاصل کیا گیا مال حرام ہے اور حرام مال سے کیے جانے والا حج و عمرہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا، لہٰذا اس طرح کی کمیٹی سے اپنے آپ کو بچانا لازم وواجب ہے۔ بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، جلد2، صفحه 295، المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية، جلد7، صفحه 198

1...(بہار شریعت، جلد2، حصہ 11، صفحہ 818، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2...(بہار شریعت، جلد2، حصہ 11، صفحہ 753، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

،بحر الدموع ،جلد1 ، صفحہ144،پر موجود حدیث پاک میں ہے، واللفظ للاول: ”ومن کسب مالا حراما لم تقبل له صدقة ولا عتق ولا حج ولا عمرة“ترجمہ: جس نے مال حرام کمایا اللہ عزوجل نہ اس کا صدقہ قبول فرمائے گا،نہ غلام آزاد کرنا،نہ حج کرنا اور نہ ہی عمرہ کرنا۔[1]

فتاوی رضویہ میں ہے:”سود اور چوری اور غصب اور جوئے کا روپیہ قطعی حرام ہے۔“[2]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــہ

مفتی ابو الحسن محمد ھاشم خان عطاری

03شعبان المعظم1440ھ09اپریل2019ء

فتویٰ 13:

باہمی امداد کے لیے جمع کی گئی کمیٹی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں باہمی امداد کے مقصد کے تحت ایک کمیٹی بنی ہے،جس کی آمدن اور اپنے ممبران کی مدد کرنے کے طریقہ کار کی تفصیل درج ذیل ہے:

(1)جو کمیٹی میں شمولیت اختیار کرے، کمیٹی اُس سے ہر ماہ300روپے جمع کرتی ہے۔

(2)اس رقم کو ایک اکاؤنٹ میں محفوظ رکھا جاتا ہے،نیز کمیٹی میں یہ معاملہ طے ہے کہ یہ رقم کسی کاروبار یا کسی کو قرض وغیرہ کے طور پر نہیں دی جائے گی،اسی طرح ممبران کی طرف سے بھی ان کاموں پر رقم لگانے کی اجازت نہیں ہے یعنی یہ رقم بطورِ چندہ دی جاتی ہے۔

1...(مسند الحارث،جلد1،صفحہ309،مرکز خدمة السنة والسيرة النبوية،المدينة المنورة)

2...(فتاوی رضویہ،جلد19،صفحہ646،مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن،لاھور)

(3)جو رقم جمع ہو، اُسے اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ جب اس کمیٹی میں شریک کسی ممبر یا اُس کے اہل خانہ میں سے کوئی فوت ہو جائے، تو اُس کے جنازے میں شریک تمام افراد (امیر غریب اور دور سے آئے مہمانوں اور اہل علاقہ، سب) کے کھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔

(4)جس ممبر پر رقم لگائی جائے گی، اُسی کے نام سے بِل بنتا ہے اور رجسٹر میں تحریری صورت میں اُس کا حساب بھی رکھا جاتا ہے۔

(5)اگر کوئی ممبر شپ چھوڑنا چاہے، تو اُسے اُس کی رقم واپس کر دی جاتی ہے، جبکہ اُس نے کسی فوتگی وغیرہ کی صورت میں کمیٹی کی سہولت حاصل نہ کی ہو یا سہولت تو حاصل کی ہو، لیکن اُس کی جمع شدہ رقم اس پر خرچ ہونے والی رقم سے زیادہ ہو، بہر صورت اگر وہ اپنی رضا مندی سے جمع شدہ رقم کمیٹی کو ہی دے دے، تو بوقتِ حاجت کمیٹی وہ رقم بقیہ ممبرز پر لگا دیتی ہے۔

(6)اور اگر ایسی صورت ہو کہ کوئی ممبر چھوڑنا چاہے اور اُس کی جمع شدہ رقم کم ہو اور اُس کی فوتگی پر لگی رقم زیادہ ہو، تو کمیٹی کی طرف سے اُس سے یہ مطالبہ نہیں کیا جاتا کہ وہ بقیہ رقم کمیٹی کو جمع کرائے، بلکہ پیار محبت سے اُسے کمیٹی سے خارج کر دیا جاتا ہے، مثلاً ایک آدمی نے کمیٹی میں 10 ہزار جمع کرائے اور فوتگی کی صورت میں اُس پر کمیٹی نے 30 ہزار خرچ کیا، تو اب اگر یہ چھوڑنا چاہے، تو اس سے بقیہ 20 ہزار نہیں لیا جائے گا۔

(7)اور یہ رقم فی گھر کے حساب سے 300 روپے جمع کی جاتی ہے، مثلاً: ایک گھر کے 5 افراد ہیں، تو گھر کا سربراہ، جو کمیٹی کا ممبر ہے، وہ ہر ماہ 300 روپے دے گا اور یوں کمیٹی کی سہولت کا فائدہ سب گھر والوں کو ہو گا حتی کہ اگر کمیٹی کی ممبر شپ حاصل کرنے والے کے اہلِ

خانہ میں سے کئی افراد کا بھی انتقال ہو جائے، تو ان تمام کی فوتگی پر کھانے کے اخراجات کمیٹی کی طرف سے دیئے جائیں گے۔

(8)جو گھر کا سربراہ رقم جمع کرواتا ہے، اُسی کا نام بطورِ ممبر کمیٹی کے رجسٹر میں درج ہوتا ہے اور اگر وہ سربراہ خود انتقال کر جاتا ہے، تو اس کی فوتگی پر جمع شدہ رقم کے بدلے میں کھانے کے اخراجات کمیٹی کرے گی، پھر اس کے بعد اگر اس کے اہلِ خانہ میں سے کوئی فرد کمیٹی کی ممبر شپ حاصل کرے گا، تب دیگر اہلِ خانہ کی فوتگی پر یہ سہولت حاصل ہو گی، ورنہ نہیں۔

(9)اسی طرح جو گھر اُس کمیٹی کا ممبر نہیں ہوتا، اُس کے ہاں فوتگی کی صورت میں بھی اُسے یہ سہولت نہیں دی جاتی۔

(10)اور اگر سربراہ فوت ہو جائے، جو رقم جمع کرواتا تھا اور اُس کی رقم کمیٹی کے کھاتے میں بچتی ہو، تو وہ رقم ورثاء کے مطالبے پر اُنہیں واپس کر دی جاتی ہے۔

اب اس تفصیل کے بعد ان سوالات کے جوابات ارشاد فرمائیں کہ اس کمیٹی میں رقم جمع کروانا کیسا؟ جنازے میں آئے تمام لوگوں کا اس رقم سے کھانے کا اہتمام کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ طریقہ درست نہیں ہے، تو اس کا کوئی متبادل درست طریقہ بھی ارشاد فرمادیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

سوال میں ذکر کردہ کمیٹی کا جو طریقہ کار بیان کیا گیا ہے، وہ مجموعی طور پر ناجائز ہے، لہٰذا اس کمیٹی میں شمولیت اختیار کرنے اور اس کی سہولیات حاصل کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ البتہ اگر درج ذیل امور کے مطابق کمیٹی چلائی جائے، تو اس میں شمولیت اور اس کی سہولت

سے فائدہ اٹھانا، جائز ہو سکتا ہے۔

(1) جو شخص بھی ممبر شپ اختیار کرنا چاہے، وہ کمیٹی کو مطلع کر دے اور کمیٹی کے سربراہان رجسٹر (یا جس طرح بھی وہ ممبرز کا ریکارڈ رکھتے ہیں، اُس ریکارڈ) میں اُس کا نام درج کرلیں تاکہ ریکارڈ میں اُس کا نام شامل ہو جائے اور وقتِ ضرورت اُسے کمیٹی کی سہولت حاصل کرنے میں کوئی مشکل نہ ہو۔

(2) کمیٹی میں چندہ جمع کروانے کی کم سے کم مقدار مثلاً 300 روپے مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور زیادہ سے زیادہ حسبِ طاقت جو جتنا چندہ دینا چاہے۔

(3) چندہ دینے والوں کے علاوہ بھی ایک مناسب تعداد میں مستحق وضرورت مند افراد کو یہ سہولت دینا طے ہو اور پھر یہ سہولت لازمی طور پر دی جائے۔

(4) کمیٹی کے چندے کے مصارف کو متعین کر دیا جائے کہ فلاں فلاں کام میں یہ چندہ صرف کیا جائے گا اور چندے کے مصارف بھی ممبرز کو بتا دیئے جائیں تاکہ ممبرز کی رقم اُن کی اجازت سے اُن مصارف میں خرچ ہو یا پھر میت سے متعلق ہر جائز کام کے لئے فنڈ جمع کیا جائے۔

(5) جائز امور مثلاً میت کی تجہیز و تکفین وغیرہ کے خرچ کے لئے چندہ لیا جائے اور ان کاموں میں ہی چندے کو خرچ کیا جائے، نیز جنازے میں آئے مہمانوں کے لئے چندہ جمع کرنے اور اس کام میں چندہ صرف کرنے کی اجازت نہیں، اس لئے کہ ایسا کھانا جو ایامِ موت یعنی سوگ کے دنوں میں بطورِ دعوت کھلایا جاتا ہے، وہ ممنوع و ناجائز اور بدعت سیئہ و قبیحہ (بہت بُری بدعت) ہے، کیونکہ دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے، موت دعوت کا محل نہیں اور عام طور پر جو جنازے میں آئے ہوئے تمام لوگوں کے کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے، وہ دعوت کی

صورت میں ہی ہوتا ہے اور سوال میں بیان کردہ صورت سے بھی اس کھانے کا بطورِ دعوت ہونا ہی واضح ہے۔

(6) اسی طرح باہم مشاورت سے اس بات کا تعین بھی کیا جاسکتا ہے کہ ممبر کے گھر والوں میں سے فلاں فلاں کو ان شرائط کے ساتھ کمیٹی کی سہولت حاصل ہوگی اور فلاں کو نہیں ہو گی۔

(7) جو مدات مقرر ہوں گی، اگر ان کے وقوع کا تناسب کم رہا، تو ظاہر ہے کہ بعض اوقات وافر مقدار میں فنڈ موجود ہوگا اور اگر وقوعے زیادہ ہوئے، تو فنڈ میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، لہٰذا یہ طے کرلیں کہ امداد صرف اُسی صورت میں کی جائے گی، جبکہ کمیٹی کے پاس فنڈ موجود ہوگا تاکہ بعد میں کوئی تنازع نہ ہو۔

(8) ممبرز سے جو رقم جمع کی جائے گی، چونکہ وہ رقم چندے کی حیثیت سے ہوگی اور چندہ، چندہ دینے والوں کی ملک میں باقی رہتا ہے، لہٰذا خدانخواستہ اگر کوئی ممبر فوت ہو جائے اور اُس کی جمع شدہ رقم تاحال کسی مصرف میں خرچ نہ ہوئی ہو، تو وہ رقم ترکہ کہلائے گی اور وہ ساری رقم ورثاء کو دینا لازم ہوگی یا کچھ رقم مصرف میں خرچ ہوگئی اور کچھ بچ گئی، تو بچنے والی رقم حصۂ رسد کے مطابق ورثاء کو دینی ہوگی، مثلاً: 4 ممبرز تھے اور ہر ایک نے 300 روپے جمع کروائے تھے اور یوں ٹوٹل 1200 روپے جمع تھے اور اُن میں سے ابھی 600 خرچ ہوئے تھے کہ ایک ممبر فوت ہوگیا، تو حصۂ رسد کے حساب سے اُن میں سے ہر ایک ممبر کے 150 روپے بقایا بچتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ حصۂ رسد کے حساب سے فوت ہونے والے ممبر کے 150 روپے بقایا بچتے ہیں، جو اُس کے ورثاء کو دینا ضروری ہے، وعلی ھذا القیاس ان تمام امور کی مکمل طور پر رعایت کرتے ہوئے یہ کمیٹی چلائی

جائے،توشرعاًاس کی اجازت ہوسکتی ہے۔

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــــہ

مفتی محمدقاسم عطاری

20شوال المکرم1440ھ24جون2019ء

فتویٰ 14:

بینک میں ڈالی جانے والی کمیٹی کی ایک صورت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ بینکوں کی جانب سے مختلف اسکیمیں سامنے آتی رہتی ہیں، فی الحال ایک بینک کی جانب سے ایک اسکیم، کمیٹی کے نام کے ساتھ منظر عام پر آئی ہے کہ بینک کے ساتھ کمیٹی ڈالئے،نہ کمیٹی ڈوبنے کی فکراور دیگر پریشانیوں سے بھی نجات۔ 12یا18یا24ماہ کی بینک کے ساتھ کمیٹی ڈالی جاسکتی ہے، جس میں منتخب شدہ مدت کے مکمل ہونے اور تمام اقساط کی ادائیگی پر کسٹمرکو Bank Contribution بھی حاصل ہوگا، جبکہ مکمل منتخب شدہ مدت مکمل ہونے سے قبل اگر کسٹمر اپنی جمع شدہ رقم لینا چاہے،توبغیر کسی Penalty کے لے سکتاہے،البتہ ایسی صورت میں Bank Contribution نہیں ملے گا۔بینک، Bank Contribution کے نام پر 24لاکھ کی کمیٹی پر 1لاکھ،18لاکھ کی کمیٹی پر50ہزاراور12لاکھ کی کمیٹی پر25ہزاردے رہاہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

بینکوں کی جانب سے کمیٹی کے بیان کردہ طریقہ کار کے مطابق کمیٹی ڈالناناجائز،حرام اور کبیرہ گناہ ہے،بلکہ سود ہونے کی وجہ سے اللہ عزوجل ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلانِ جنگ

کے مترادف ہے۔ کیونکہ بینک Contribution کے نام پر جو اضافی رقم دے رہا ہے، در حقیقت وہ سود ہی ہے، کیونکہ بینک میں جمع شدہ رقم کی حیثیت شرعاً قرض کی ہے اور قرض پر مشروط نفع بحکمِ حدیث سود ہے۔

چنانچہ حدیث مبارک میں ہے: "کل قرض جرمنفعة فھو ربوا" ترجمہ: قرض کے ذریعے جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں سود کی حرمت ارشاد فرماتا ہے:

(1) ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمہ کنز العرفان: "اللہ نے خرید وفروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔" (2) ﴿یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ﴾ ترجمہ کنز العرفان: "اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔" (3) ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ترجمہ کنز العرفان: "اے ایمان والو! اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ پھر اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے لڑائی کا یقین کر لو۔"[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے اور دینے پر لعنت فرمائی، اور سب کو گناہ میں برابر قرار دیا، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی، فرماتے ہیں: "لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ و کاتبہ وشاھدیہ، وقال ھم سواء" ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود لینے والے، دینے والے، اسے لکھنے والے اور اس پر

1...(کنز العمال جلد 6، صفحہ 238، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ)

2... (سورۃ البقرۃ: آیات: 278،275،276،279)

گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا: یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔"[1]

ہوسکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ یہ کمیٹی ڈال لیتے ہیں اور مقررہ مدت سے پہلے بینک سے اپنی جمع شدہ رقم واپس لے لیں گے، یوں ہمیں سود نہیں ملے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس نیت سے بھی کمیٹی ڈالنے کی اجازت نہیں، کیونکہ بہر حال اس کمیٹی کا عقد سود پر مشتمل ہے اور سودی عقد (agreement) کرنا بھی ناجائز و گناہ ہے، لہٰذا کسی بھی صورت میں اس طرح کی کمیٹی ڈالنا جائز نہیں، اگر خدانخواستہ کسی نے یہ کمیٹی ڈال لی ہے، تو اس پر لازم ہے کہ فوراً اسے ختم کروائے، اپنی جمع شدہ رقم واپس لے لے اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سچی توبہ بھی کرے۔

ایسی کمیٹیاں شروع کرنے والے اداروں پر بھی افسوس ہے کہ نہ جانے کیوں قسم کھا کے بیٹھے ہیں، کہ لوگوں کو سود کھلانا ہی کھلانا ہے۔ کبھی کسی نام پر، کبھی کسی طریقے سے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

واللہ اعلم عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح

مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو مصطفیٰ محمد کفیل رضا عطاری مدنی

18رمضان المبارک1439ھ/3جون2018

فتویٰ 15:

بولی والی کمیٹی کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ بولی والی کمیٹی

1...(صحیح مسلم جلد5، صفحہ50، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

کا شرعی حکم کیا ہے؟ ہمارے ہاں اس کا طریقہ یہ ہے کہ کمیٹی میں شامل ہونے والے افراد ہر ماہ ایک جگہ جمع ہو کر کمیٹی ہولڈر کو رقم جمع کرواتے ہیں، پھر اسی جگہ بولی لگتی ہے، جو ممبر سب سے کم بولی لگاتا ہے، اسے اتنی کمیٹی دے کر بقیہ رقم دیگر ممبران میں تقسیم کر دی جاتی ہے، مثلاً 10 لاکھ کی کمیٹی ہے اور 9 لاکھ بولی لگی، تو 9 لاکھ بولی لگانے والے کو دے کر 1 لاکھ ممبران میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، لیکن کمیٹی لینے والے کو ہر ماہ کمیٹی جمع کروا کر 10 لاکھ پورے کرنے ہوتے ہیں، یعنی رقم وہ کم لیتا ہے، لیکن ادائیگی زیادہ کرتا ہے۔ البتہ کمیٹی ہولڈر اور آخر میں لینے والے دونوں کو بغیر بولی کے پوری کمیٹی ملتی ہے، ہاں ان کو بھی بقیہ ممبران کی کمیٹی سے اضافی رقم ملتی رہتی ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ہر ممبر اپنی مرضی سے کم بولی لگا کر بقیہ رقم چھوڑتا ہے، لہذا بقیہ ممبران کے لیے وہ رقم جائز ہے۔ برائے کرم رہنمائی فرمائیں کہ ایسی کمیٹی شروع کرنا کیسا، اگر کسی نے کر لی ہو اور اضافی رقم بھی لے چکا ہو، تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

پوچھی گئی صورت میں بولی والی کمیٹی خالصتاً سودی معاملے پر مشتمل ہے، لہٰذا اسے شروع کرنا سخت ناجائز، حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔

تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ کمیٹی لینے والے شخص کے پاس اپنی جمع کروائی ہوئی رقم کے علاوہ بقیہ سب رقم قرض کے طور پر ہوتی ہے اور قرض کا اصول یہ ہے کہ جتنی رقم قرض میں دی جائے، اتنی ہی واپس لینا طے ہو، اگر اس سے زیادہ لینے کی شرط ہو، جیسا کہ پوچھی گئی صورت میں ہے، تو وہ اضافہ سود ہوتا ہے اور سود لینا، دینا اور اس کا معاہدہ کرنا، سب حرام اور گناہ

ہے، قرآن وحدیث میں اس پر سخت وعیدات بیان کی گئی ہیں۔

اگر کسی نے یہ سودی کمیٹی شروع کرلی ہو، تو اس پر لازم ہے کہ اسے فوراً ختم کرے اور اللہ تعالی کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرے، ورنہ مسلسل گناہ ملتا رہے گا۔ نیز اگر اس طرح اضافی / سودی رقم حاصل کرلی ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ جس سے لی، اسے واپس کی جائے یا بغیر ثواب کی نیت کے کسی شرعی فقیر پر صدقہ کردی جائے، البتہ جس سے لی، اسے واپس کرنا بہتر ہے۔

اور بعض افراد کا یہ کہنا کہ "پہلے کمیٹی لینے والا اپنی مرضی سے اضافی رقم چھوڑتا ہے، لہٰذا وہ بقیہ ممبران کے لئے جائز ہے" تو یہ درست نہیں، کیونکہ سود کو اللہ جبّار و قہار نے مطلقاً حرام قرار دیا ہے، اس میں کسی کی رضا وخوشی کو دخل نہیں، لہٰذا یہ کسی کی مرضی سے بھی جائز نہیں ہوسکتا، جیسے زنا و قتل باہم رضامندی سے جائز نہیں ہوسکتے۔

سود کی حرمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے، مگر اس شخص کے کھڑے ہونے کی طرح، جسے آسیب نے چھو کر پاگل بنادیا ہو، یہ سزا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کہا: خرید وفروخت بھی تو سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے خرید وفروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔[1]

مزید فرمایا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

1...(پارہ3،سورۃ البقرہ، آیت:275)

تُفْلِحُوْنَ﴾ترجمہ کنز العرفان: اے ایمان والو! دُگنا دَر دُگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں کامیابی مل جائے۔(1)

اسی بارے میں حدیثِ پاک میں ہے:”لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اکل الربو و موکلہ و کاتبہ و شاھدہ و قال:ھم سواء “ ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کی کتابت کرنے والے اور اس پر گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی، اور فرمایا: یہ سب لوگ (گناہ میں) برابر ہیں۔(2)

اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:”سود کا ایک حبہ لینا حرامِ قطعی، کہ سود لینے والے پر اللہ عزوجل و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ صحیح حدیثوں میں فرمایا:”الربا ثلثۃ و سبعون حوباً،ایسرھن کان یقع الرجل علی امہ“یعنی سود کھانا تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے، جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔(3)

قرض کی تعریف کے بارے میں تنویر الابصار میں ہے:”عقد مخصوص یرد علی دفع مال مثلی لاٰخر لیرد مثلہ“ترجمہ: ایسا مخصوص عقد جو دوسرے کو مثلی مال دینے پر وارد ہو، تاکہ وہ (بعد میں) اس کی مثل واپس کرے۔(4)

قرض پر مشروط نفع سود ہونے کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:”کل قرض جر منفعۃ فھو ربا“ترجمہ: ہر وہ قرض، جو نفع کھینچے، تو وہ سود ہے۔(5)

1...(پارہ4، سورۃ اٰل عمران، آیت130)

2...(صحیح مسلم، جلد5، صفحہ50، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

3...(فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ390تا391، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

4...(تنویر الابصار مع درمختار، جلد7، صفحہ406تا407، مطبوعہ کوئٹہ)

5...(کنز العمال، جلد6، صفحہ238، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ)

اور سودی معاہدہ کرنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”سودی دستاویز لکھنا سود کا معاہدہ کرنا ہے اور وہ بھی حرام ہے۔۔جب اس کا تمسک موجبِ لعنت اور سود کھانے کے برابر ہے، تو خود اس کا معاہدہ کرنا کس درجہ خبیث و بد تر ہے۔“(1)

سود کے مال کا حکم بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”جو مال رشوت یا تغنی یا چوری سے حاصل کیا، اس پر فرض ہے کہ جس جس سے لیا، ان پر واپس کر دے، وہ نہ رہے ہوں، ان کے ورثہ کو دے، پتا نہ چلے تو فقیروں پر تصدق کرے، خرید و فروخت کسی کام میں اس مال کا لگانا حرام قطعی ہے، بغیر صورتِ مذکورہ کے کوئی طریقہ اس کے وبال سے سبکدوشی کا نہیں۔یہی حکم سود وغیرہ عقودِ فاسدہ کا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں جس سے لیا، بالخصوص انہیں واپس کرنا فرض نہیں، بلکہ اسے اختیار ہے کہ اسے واپس دے، خواہ ابتداءً تصدق کر دے۔۔ہاں! جس سے لیا، انہیں یا ان کے ورثہ کو دینا یہاں بھی اولیٰ ہے۔“(2)

سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، یہ حق شرع ہے، اس میں بندے کی رضا کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ بدائع الصنائع میں بیع فاسد سے متعلق ہے: ”لان فسادھالحق الشرع من حرمۃ الربا ونحو ذلک، فلا یزول برضا العبد“ ترجمہ: کیونکہ بیع فاسد کا فساد سود وغیرہ خرابیوں کے سبب حق شرع کی وجہ سے ہے، لہذا اس کا فساد بندے کے راضی ہو جانے کے سبب ختم نہیں ہو گا۔(3)

1...(فتاوی رضویہ، جلد6، صفحہ546، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

2...(فتاویٰ رضویہ، جلد23، صفحہ551تا552، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

3...(بدائع الصنائع، جلد7، صفحہ186، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد فرحان افضل عطاری
08شوال المکرم1445ھ/18اپریل2024ء

فتویٰ 16:

لکی کمیٹی کا حکم؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ لکی کمیٹی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تفصیلاً رہنمائی فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ہمارے معاشرے میں جس طرح دیگر برائیاں جڑ پکڑتی جارہی ہیں، اسی طرح عام عوام کو مختلف قسم کے انعامات اور کم پیسوں میں مہنگی چیز لینے کا لالچ دے کر مختلف چیزوں کی لکی کمیٹیوں کا رواج بھی دن بہ دن بڑھتا چلا جارہا ہے، اگر ان اشیاء کی لکی کمیٹیوں کی حقیقت کو پرکھا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمیٹیاں غیر شرعی امور مثلاً: سود، دھوکا وغیرہ کئی محرمات کا مجموعہ ہیں۔ لہذا پہلے ہم اس کا تعارف پیش کرتے ہیں۔

لکی کمیٹی کا تعارف ملاحظہ کیجیے:

لکی کمیٹی دو لفظوں کا مجموعہ ہے، ایک لکی اور دوسرا کمیٹی۔ لکی یہ انگریزی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے خوش قسمت اور جب یہ لفظ کمیٹی کے ساتھ ملا کر بولا جاتا ہے، تو اس سے ایک

خاص معنی مراد ہوتا ہے کہ اس کمیٹی میں مخصوص تعداد میں افراد شامل ہوتے ہیں، ان سے ہر ماہ ایک مخصوص رقم وصول کی جاتی ہے، ہر مہینے قرعہ اندازی ہوتی ہے، جس کا نام اس قرعہ میں نکلتا ہے، اس کو طے شدہ چیز، مثلاً: رکشہ، موٹر سائیکل، جہیز کا سامان وغیرہ دے دیا جاتا ہے، قرعہ نکلنے کے بعد کمیٹی کی بقیہ قسطیں معاف ہو جاتی ہیں اور یہ فرد کمیٹی سے نکل جاتا ہے۔ جن افراد کا قرعہ میں نام نہیں آتا، وہ اپنے نام کا قرعہ نکلنے تک کمیٹیاں جمع کرواتے رہتے ہیں اور اگر آخر تک نام نہ نکلے، تو انہیں بھی لکی کمیٹی میں متعین چیز دے دی جاتی ہے۔

لکی کمیٹی کا شرعی حکم:

یاد رہے کہ کمیٹی کا لین دین در حقیقت قرض کا لین دین ہے اور قرض کا ضابطہ یہ ہے کہ اس میں جو چیز بطورِ قرض دی جائے، اُسی کی مثل واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، کمیٹی نکلنے پر رقم کی بجائے کوئی چیز دینے کی شرط لگانا، جائز نہیں ہوتا اور چونکہ لکی کمیٹی میں رقم واپس نہیں کی جاتی، بلکہ کوئی نہ کوئی سامان دینا طے ہوتا ہے، لہٰذا قرض میں شرطِ فاسد کی وجہ سے یہ طریقہ جائز نہیں، البتہ اس سے عقدِ قرض پر اثر نہیں پڑتا، بلکہ وہ شرط خود باطل ہو جاتی ہے، لہٰذا لکی کمیٹی میں اس شرط کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور کمیٹی نکلنے کی صورت میں مکمل رقم ہی واپس کرنا لازم ہو گا۔

یاد رہے کہ لکی کمیٹی کو خرید و فروخت نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اس میں صراحتاً یا دلالۃً کسی بھی طرح ایجاب و قبول نہیں ہوتا، جبکہ خرید و فروخت کے لیے ایجاب و قبول کا ہونا ضروری ہے، جس کے بغیر بیع کا وجود ہی نہیں ہوتا، لہذا شرعی طور پر لکی کمیٹی میں بیع و شراء کا معاملہ نہیں، بلکہ قرض کی ہی صورت متعین ہے۔

بالفرض اگر اس کو خرید و فروخت مان بھی لیا جائے اور قرض کی صورت نہ بنائی جائے، تو پھر بھی یہ کمیٹی بیع المعدوم، بیع بالشرط، قیمت مجہول ہونے، ادھار کے بدلے ادھار ہونے وغیرہ ناجائز شرائط کی وجہ سے یہ کمیٹی ناجائز ہی رہے گی۔

نوٹ: عموماً اس طرح کی بعض کمیٹیوں میں کمیٹی لیٹ جمع کروانے پر جرمانہ عائد کرنے، درمیان سے چھوڑنے والے کی جمع شدہ رقم ضبط کرنے وغیرہ، جیسی دیگر شرائط بھی ہوتی ہیں جنہیں قرض کے ساتھ مشروط کرنا، جائز نہیں ہوتا، اگر اس کمیٹی میں یہ شرائط بھی ہوں، تو یہ اس کے ناجائز ہونے کی الگ وجوہات ہوں گی۔

لکی کمیٹی شروع کرنا کیسا اور لوگوں کا اس میں شریک ہونا کیسا؟

ایسی کمیٹیاں چونکہ اسلام اور شریعت کے اصولوں کی خلاف ورزیوں اور مختلف حرام کردہ امور پر مشتمل ہوتی ہیں، لہٰذا ایسی کمیٹیاں شروع کرنا، ناجائز و گناہ ہے، دوسرے مسلمانوں کا اس میں شریک ہونا بھی جائز نہیں کہ گناہ پر معاونت کرنا ہے، قرآن وحدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ نیز جو شخص اس طرح کی کمیٹی شروع کرے گا، اس کو اس فعل کا تو گناہ ملے گا ہی، لیکن ساتھ میں جو افراد اس کی پیروی کریں گے یا شامل ہوں گے ان کا گناہ بھی ملے گا۔

<u>اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ</u> اگر کسی شخص نے لکی کمیٹی کے تحت کوئی چیز لے لی ہو، تو اس کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے، کیا اس چیز کو واپس کرنا لازم ہے یا نہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر لازم ہے کہ اس چیز کو واپس کرے اور اپنی جمع کروائی گئی رقم حاصل کر لے، کیونکہ جمع کروائی گئی رقم کی حیثیت قرض کی ہے اور قرض کی واپسی میں اصول ہے کہ جو چیز دی جائے، اسی کی مثل لوٹانا لازم ہوتا ہے، کمیٹی نکلنے پر رقم کی بجائے کوئی چیز دینے کی

شرط لگانا جائز نہیں ہوتا اور یہ ایک فاسد شرط ہے، جس کا قرض پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بلکہ یہ شرط خود باطل ہو جائے گی اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا، لہذا جس شخص نے اس کمیٹی کے ذریعے کوئی سامان لیا ہو، اسے اس سامان کو واپس کر کے اپنی جمع کروائی گئی رقم واپس لینا ہو گی۔

بالترتیب جزئیات ملاحظہ ہوں:

کمیٹی کا لین دین قرض کی صورت ہے اور قرض میں شرائط کا اعتبار نہیں کیا جاتا، جو چیز قرض دی جائے، اسی کی مثل واپس کرنا لازم ہوتی ہے، جیسا کہ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:"

(القرض لا یتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منها لا یبطله ولکنه یلغو شرط ردشیٔ آخر، فلو استقرض الدراهم المكسورة على أن يؤدي صحيحا كان باطلا) ۔۔۔(وكان عليه مثل ما قبض) فإن قضاه أجود بلا شرط جاز "ترجمہ: قرض کے ساتھ جائز شرائط بھی لاحق نہیں ہوتیں، تو فاسد شرائط بدرجہ اولیٰ اس کو باطل نہیں کر سکتیں، بلکہ فاسد شرط، مثلاً "قرض کی واپسی میں دوسری چیز لوٹانی ہو گی" خود لغو قرار پائے گی، لہٰذا اگر کسی نے کھوٹے دراہم اس شرط پر قرض لیے کہ واپس صحیح دراہم ادا کرے گا، تو یہ شرط باطل ہے اور قرض کی واپسی میں قرض لیتے ہوئے جن دراہم پر قبضہ کیا تھا، انہیں کی مثل لوٹانا ضروری ہے، ہاں! عمدہ ادا کرنا، جبکہ مشروط نہ ہو، تو (عمدہ ادا کرنا) جائز ہے۔[1]

قرض کے بدلے کسی چیز کے خریدنے کی شرط لگانا گناہ ہے، چنانچہ مجمع الانہر اور در مختار، وغیرہما کتب فقہ میں ہے: (ويكره أن يقرض بقالا درهما ليأخذ منه) أي: من البقال (به) أي بالدرهم (مايحتاج) من الطعام وغيره (إلى أن يستغرقه) أي الدرهم فإنه قرض جر نفعا وهو

---

1 ...(تنویر الابصار مع الدر المختار، جلد 7، صفحہ 412،413، مطبوعہ کوئٹہ)

منهي عنه "ترجمہ: سبزی فروش کو قرض کے طور پر اس لئے درہم دے دینا کہ بعد میں ان کے بدلے میں جس چیز مثلاً کھانے وغیرہ کی حاجت ہو گی تو وہ لیتا رہے گا یہاں تک کہ وہ درہم ختم ہو جائیں، تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جو نفع لا رہا ہے (یعنی اس سے نفع حاصل کیا جا رہا ہے) اور یہ بات شرعاً ممنوع ہے۔[1]

لکی کمیٹی بیع وشراء نہیں، کیونکہ بیع کے ارکان (ایجاب و قبول) نہیں پائے گئے اور ان کے بغیر بیع نہیں ہوتی، جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح القدیر کے حوالے سے لکھتے ہیں: "ان رکنه الایجاب والقبول الدالان علی التبادل أو ما یقوم مقامهما من التعاطی" ترجمہ: بیع کا رکن ایسے ایجاب و قبول ہیں جو تبادلے پر دلالت کریں یا جو چیز اس ایجاب و قبول کے قائم مقام ہو یعنی تعاطی (طرفین سے لین دین)۔[2]

امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: "ثبوت فی نفسہ نہ صرف بیع قولی، بلکہ ہر بیع کا قولی ہو یا فعلی وجود ایجاب و قبول پر موقوف ہے کہ وہ ارکان عقد ہیں اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے متحقق نہیں ہو سکتا ہاں ایجاب و قبول اس سے عام ہیں کہ قولاً ہوں یا فعلاً، صراحۃً ہوں یا دلالۃً عبارۃً ہوں یا اقتضاءً ہوں خطاباً یا کتاباً، غرض کوئی قول کوئی فعل طرفین سے ایسا ہونا چاہیئے جو باہم مبادلہ مال بالمال کی تراضی پر دلیل ہو۔"[3]

بالفرض اگر اس کو خرید و فروخت ہی مان لیا جائے، تب بھی لکی کمیٹی بیع المعدوم اور بیع بالشرط کی وجہ سے جائز نہیں، جیسا کہ معدوم کی بیع ممنوع ہونے کے متعلق سنن نسائی میں ہے:"

1...(مجمع الانہر، جلد2، صفحہ555، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

2...(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد7، صفحہ12،13، مطبوعہ کوئٹہ)

3...(فتاوی رضویہ، جلد18، صفحہ218، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

عن حکیم بن حزام قال:سألت النبی صلی اللہ علیه وسلم فقلت:یا رسول اللہ،یأتینی الرجل،فیسألنی البیع لیس عندی أبیعه منه،ثم أبتاعه له من السوق،قال:لاتبع مالیس عندک"ترجمہ:حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں سوال کیا:یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس کوئی آتا ہے اور مجھ سے ایسی چیز خریدنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی،تو کیا میں یوں کر سکتا ہوں کہ اسے بیچ دوں اور پھر بعد میں بازار جاؤں اور وہاں سے لاکر اسے دے دوں۔تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:اس چیز کو ہرگز نہ بیچو جو تمہارے پاس ہے ہی نہیں۔[1]

معدوم کی بیع باطل ہے،جیسا کہ درمختار میں ہے"بطل بیع ما لیس فی ملکه"ترجمہ:جو چیز ملکیت میں نہ ہو اس کی بیع باطل ہے۔[2]

حدیثِ پاک میں بیع میں شرط لگانے سے منع کیا گیا ہے،جیسا کہ"المعجم الاوسط"میں حدیث پاک منقول ہے:"نهی عن بیع وشرط"ترجمہ:نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم نے بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایا ہے۔[3]

بیع میں شرط لگانے کے متعلق ہدایہ میں ہے:"کل شرط لایقتضیه العقدوفیه منفعة لاحدالمتعاقدین اوللمعقود علیه وهومن اهل الاستحقاق یفسده الا ان یکون متعارفالان العرف قاض علی القیاس"ترجمہ:ہر وہ شرط جس کا عقد تقاضا نہ کرتا ہو اور اس میں عاقدین میں

1...(سنن النسائی،جلد7،صفحه289،مطبوعه المکتبة التجاریة الکبری،القاهرة)

2...(ردالمحتارعلی الدرمختار،جلد7،ص245،مطبوعه کوئٹه)

3...(المعجم الاوسط،جلد4،صفحه335،مطبوعه دارالحرمین،القاهرة)

سے کسی ایک یا مبیع اگر وہ فائدہ کی اہل ہے، کا فائدہ ہو، تو وہ بیع کو فاسد کر دے گی، بشرطیکہ عرف میں وہ شرط معروف نہ ہو، کیونکہ عرف قیاس پر فیصل ہوتا ہے۔[1]

لکی کمیٹی میں شرکت کرنا گناہ اور اس کی دوسروں کو دعوت دینا نہ صرف گناہ، بلکہ گناہ پر معاونت بھی ہے اور قرآن وحدیث میں اس کی مذمت بیان کی گئی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ ترجمہ کنزالعرفان: اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔[2]

امام ابو بکر احمد الجصاص رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں: "﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ نھی عن معاونۃ غیرنا علی معاصی اللہ تعالی" ترجمہ: آیت کریمہ ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کاموں میں دوسروں کی مدد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔[3]

اس آیتِ مبارکہ کے تحت تفسیر صراط الجنان میں ہے: "یہ انتہائی جامع آیتِ مبارکہ ہے، نیکی اور تقوی میں ان کی تمام انواع واقسام داخل ہیں اور اثم اور عدوان میں ہر وہ چیز شامل ہے جو گناہ اور زیادتی کے زمرے میں آتی ہو۔۔۔ گناہ اور ظلم میں کسی کی بھی مدد نہ کرنے کا حکم ہے۔ کسی کا حق مارنے میں دوسروں سے تعاون کرنا، رشوتیں لے کر فیصلے بدل دینا، جھوٹی گواہیاں دینا، بلاوجہ کسی مسلمان کو پھنسا دینا، ظالم کا اس کے ظلم میں ساتھ دینا، حرام و ناجائز کاروبار کرنے والی کمپنیوں میں کسی بھی طرح شریک ہونا، بدی کے اڈوں میں نوکری کرنا یہ سب ایک طرح سے برائی کے ساتھ تعاون ہے اور ناجائز ہے۔"[4]

1۔۔۔(ھدایہ، جلد3، صفحہ48، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

2۔۔۔(القرآن، پارہ6، سورۃ المائدہ، آیت2)

3۔۔۔(احکام القرآن، جلد3، صفحہ296، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

4۔۔۔(صراط الجنان، جلد2، صفحہ378،379، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"ومن دعا إلی ضلالة کان علیه من الإثم مثل آثام من تبعه، لا ینقص ذلک من آثامهم شیئا" یعنی جس نے کسی دوسرے کو گناہ کی طرف بلایا، تو جتنے بھی لوگ اس کی پیروی کریں گے، اُن سب پیروی کرنے والوں کے برابر اِس بلانے والے کو بھی گناہ ملے گا اور پیروی کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔[1]

لکی کمیٹی میں لی گئی چیز واپس کرنا اور اپنی جمع کروائی گئی رقم واپس لینا لازم ہے، کیونکہ قرض میں شرائط کا اعتبار نہیں کیا جاتا، جو چیز قرض دی جاتی ہے، اسی کی مثل واپس کرنا لازم ہوتا ہے، جیسا کہ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:"(القرض لا یتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منها لا یبطله ولکنه یلغو شرط رد شیئ آخر، فلو استقرض الدراهم المکسورة علی أن یؤدي صحیحا کان باطلا)۔۔۔(وکان علیه مثل ما قبض) فإن قضاه أجود بلا شرط جاز"ترجمہ: **قرض کے ساتھ جائز شرائط بھی لاحق نہیں ہوتیں، تو فاسد شرائط بدرجہ اولیٰ اس کو باطل نہیں کر سکتیں، بلکہ فاسد شرط، مثلاً "قرض کی واپسی میں دوسری چیز لوٹانی ہوگی" خود لغو قرار پائے گی،** لہٰذا اگر کسی نے کھوٹے دراہم اس شرط پر قرض لیے کہ واپس صحیح دراہم ادا کرے گا، تو یہ شرط باطل ہے اور قرض کی واپسی میں قرض لیتے ہوئے جن دراہم پر قبضہ کیا تھا، انہیں کی مثل لوٹانا ضروری ہے، ہاں! عمدہ ادا کرنا، جبکہ مشروط نہ ہو، تو (عمدہ ادا کرنا) جائز ہے۔[2]

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

1۔۔۔(صحیح مسلم، جلد 8، صفحہ 62، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

2۔۔۔(تنویر الابصار مع الدر المختار، جلد 7، صفحہ 412، 413، مطبوعہ کوئٹہ)

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
08ذیقعدہ1446ھ/07مئی 2025ء

فتوی 17:

سونے کی کمیٹی ڈالنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ جس طرح پیسوں کی کمیٹیاں ڈالی جاتی ہیں،اسی طرح ہم پیسوں کی جگہ سونے(Gold) کی کمیٹی شروع کرنا چاہتے ہیں، کیا سونے کی کمیٹی ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق رہنمائی فرمادیں۔

سونے کی کمیٹی ڈالنے کا طریقہ کار:

مثال کے طور پر ایک کمیٹی میں 10 افراد شامل ہوں، ہر مہینے کمیٹی کا ہر فرد مخصوص مقدار، مثلاً ایک تولہ، دس گرام، دس تولہ یا جو طے پا جائے، اتنی مقدار میں سونا جمع کروائے گا، رقم جمع نہیں کروائے گا، اور یہ سونا ڈلی کی شکل میں ہو گا، سونا کمیٹی ایڈ من (جمع کرنے والے) کے پاس جمع رہے گا، وہ اسے خرچ نہیں کرے گا، مہینے کے آخر میں قرعہ ڈالا جائے گا، جس کا نام نکلے گا، جمع شدہ تمام سونا، اسے دے دیا جائے گا اور پھر اگلے مہینے دوبارہ جمع کیا جائے گا اور جس کا قرعہ میں نام نکلے گا، سونا اسے دے دیا جائے گا، یونہی دس ماہ تک اتنی ہی مقدار میں سونا جمع ہو گا اور دسوں ممبر دیتے رہیں گے اور اس طرح جتنا سونا پہلے فرد کو ملا، اُتنا ہی آخری کو بھی ملے گا، اس میں کمی، زیادتی نہیں ہو گی، تمام افراد کا سونا برابر ہو گا اور سب کو برابر، برابر ہی ملے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

سوال میں بیان کردہ طریقہ کار کے مطابق سونے کی کمیٹی ڈالنااوراس میں شرکت کرنا،جائزہے،شرعاًاس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ تمام ممبران، منتظم یعنی کمیٹی ایڈمن کو اپنا سونابطورِ امانت دیتے ہیں،اس لحاظ سے ابتداءً کمیٹی ایڈمن تمام ممبران کے جمع شدہ سونے کا امین ہے،پھراس کو تمام ممبران کی طرف سے مخصوص فرد کوبطورِ قرض سونادینے کا وکیل کیاجاتاہے اور قرض کا وکیل بنانے میں حرج نہیں اوراس صورت میں کمیٹی ایڈمن،دیگر ممبران کی طرف سے قرض کی ادائیگی کا وکیل اور اپنے حصہ میں اصیل ہوتاہےاورشرعاًاس میں بھی حرج نہیں اورچونکہ سوناایک مثلی چیزہے اور مثلی چیزوں کوبطورِ قرض دیناجائزہے،لہٰذا کمیٹی کی شکل میں سونا قرض دینا بھی جائزہے۔

تنبیہ: یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ کمیٹی میں ہر ممبر سے سوناہی وصول کرنااور قرعہ میں نام نکلنے کی صورت میں سوناہی اداکرنا ضروری ہے،نیز تمام ممبران کو ایک ہی معیار، مقداراور کوالٹی کاسونادیناضروری ہے،کسی ایک کو بھی مقدار میں یاکوالٹی میں کمی بیشی کے ساتھ دیناجائز نہیں،مثلاً:اگر یہ طے ہوتاہے کہ ہر ممبر 24 کیرٹ کاایک تولہ سونا جمع کروائے گا،یوں قرعہ میں جس کانام نکلے گا،اس کو 24 کیرٹ کا دس تولہ سونادیاجائے گا،توضروری ہے کہ ہر ممبر 24 کیرٹ کاسوناہی جمع کروائے اور آگے 24 کیرٹ کاسوناہی کمیٹی میں دیاجائے،مقداریاکوالٹی میں کمی بیشی کرنا،ناجائزوگناہ ہے۔

سوال: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے کہا کہ سونے (Gold) کی کمیٹی میں بوقتِ عقد سونا واپس لوٹانے میں مقدار کے ساتھ ساتھ معیار و کوالٹی بھی ایک (Same) ہونا ضروری ہے، اور اس میں معیار و کوالٹی کی کمی بیشی کے ساتھ واپسی کی شرط لگانا، جائز نہیں، جبکہ بیع یعنی خرید و فروخت کے باب میں یہ کہا جاتا ہے کہ سونے کی سونے کے ساتھ بیع میں وقت عقد معیار و کوالٹی میں کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، صرف مقدار میں برابری ضروری ہے، تو اس میں فرق کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: کمیٹی کی شکل میں سونے کا لین دین کرنا قرض ہے اور قرض کی بنیادی شرط ہی یہ ہوتی ہے کہ جو چیز وصول کی ہے، اُسی کی مثل لوٹائی جائے، اس سے اچھی یا کم تَر ہونا، مشروط نہ ہو، لہٰذا جب قرض میں مثل دینا ہی ضروری ہے اور مثل کا خاصہ و وصف یہ ہے کہ دونوں جانب مقدار و معیار برابر (Same) ہو، اگر ایسا نہ ہوا، بلکہ کسی جانب اچھی یا کم تَر چیز دینا مشروط ہوا، تو مثل کی شرط پوری نہ ہوگی اور یہ جائز نہیں، اور جہاں بات سونے کی خرید و فروخت کی ہے، تو اس میں وزن میں برابری کے ساتھ ساتھ معیار و کوالٹی میں برابری ہونا ضروری نہیں ہوتا، کیونکہ بیع میں مثل دینا شرط نہیں ہوتا، بلکہ بیع میں کبھی عین کے مقابلے میں عین یا عین کے مقابلے میں ثمن تو لازم ہوتا ہے، لیکن عین کے مقابلے میں وصف لازم نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اگر چیز کے معیار و کوالٹی میں کچھ کمی، بیشی ہو جائے، لیکن وزن میں برابری ہو، تو تب بھی اس کی بیع جائز ہے۔

تفصیل کے مطابق بالترتیب جزئیات:

قرض کے لین دین کا وکیل بنانا، جائز ہے، چنانچہ ”مجمع الضمانات“ میں ہے: ”والحاصل أن التوکیل بالاقراض جائز“ ترجمہ: حاصلِ کلام یہ ہے کہ قرض دینے کا وکیل

بنانا، جائز ہے۔[1]

بدائع الصنائع میں ہے:”وتجوز الوکالۃ بقضاء الدین“ترجمہ: قرض کی ادائیگی کا وکیل بنانا، جائز ہے۔[2]

فتاوی رضویہ میں ہے:”یہاں کہ تصرف باجازت ورضائے باقی شرکاء ہے یہ تصرف کرنے والا اپنے حصہ میں اصیل اور باقیوں کی طرف سے وکیل ہوتا ہے۔“[3]

وکیل امین ہوتا ہے، چنانچہ فتاوی رضویہ میں ہے:”اب وہ وکیل ہوا اور وکیل امین ہے۔“[4]

سونا مثلی اشیاء میں سے ہے اور مثلی چیزوں کو بطورِ قرض دینا، جائز ہے، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:”ویجوز القرض فیما ھو من ذوات الامثال کالمکیل والموزون والعددی المتقارب کالبیض ولایجوز فیما لیس من ذوات الامثال“ یعنی مثلی اشیاء میں قرض جائز ہے، مثلاً مکیلی، موزونی اور (ایسی) عددی چیز جس (کے افراد) میں زیادہ تفاوت نہ ہو، جیسے انڈہ اور جو چیزیں مثلی نہیں، انہیں قرض دینا، جائز نہیں۔[5]

سونے کو بطورِ قرض دینے کے متعلق تنویر الابصار و درمختار میں ہے:”فیصح استقراض الدراھم والدنانیر وکذا کل ما یکال او یوزن“ترجمہ: دراہم و دنانیر اور ہر اس چیز کو قرض

1...(مجمع الضمانات، جلد1، صفحہ248، مطبوعہ دارالکتاب الإسلامي)

2...(بدائع الصنائع، جلد6، صفحہ23، مطبوعہ دارالکتب العلمية، بیروت)

3...(فتاوی رضویہ، جلد16، صفحہ107، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاھور)

4...(فتاوی رضویہ، جلد25، صفحہ446، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاھور)

5...(الفتاوی الھندیہ، جلد3، صفحہ201، مطبوعہ کوئٹہ)

دینا، جائز ہے، جس کو ناپ، تول کر لیا یا دیا جاتا ہو۔[1]

مجمع الانہر میں ہے:”صح استقراض الدراھم والدنانیر وکذا ما یکال أو یوزن أو یعد متقاربا“ترجمہ: دراہم و دنانیر اور ہر اس چیز کو قرض دینا جائز ہے، جس کو ناپ، تول کر لیا یا دیا جاتا ہو یا جو عددی متقارب ہو۔[2]

سونا قرض دینے یا لینے کی صورت میں برابری ہونا، ضروری ہے، ورنہ کمی بیشی کی صورت میں سونے کا بطورِ قرض لین دین کرنا، جائز نہیں، جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے:” لا یصح الاستقراض بھا إلا وزنا“ترجمہ: سونا وزن کے ساتھ ہی قرض پر لینا جائز ہے۔[3]

جس کوالٹی اور معیار کا سونا قرض دیا جائے ،اسی معیار کا سونا واپس کرنا، ضروری ہے، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے:”ولا یجوز قرض جر نفعا بأن أقرضه دراھم مکسرۃ بشرط رد صحیحۃ۔۔۔ فإن قضاہ أجود بلا شرط جاز“ترجمہ: ایسا قرض جو نفع لائے، جائز نہیں، مثلاً کھوٹے دراہم اس شرط پر قرض دینا کہ بدلے میں صحیح دراہم لوٹائے جائیں گے (ناجائز ہے)۔ ہاں! بغیر شرط کے عمدہ دراہم لوٹا دیئے، تو یہ جائز ہے۔[4]

درمختار و تنویر الابصار میں ہے:والنظم بین الھلالین للتنویر:”(القرض لا یتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منھا لا یبطله ولکنه یلغو شرط رد شیئ آخر ,فلو استقرض الدراھم المکسورۃ علی أن یؤدي صحیحا کان باطلا)۔۔۔(وکان علیه مثل ما قبض)فإن قضاہ أجود بلا

1۔۔۔(تنویر الابصار والدر المختار، کتاب البیوع، فصل فی القرض، جلد7، صفحہ407، مطبوعہ کوئٹہ)

2۔۔۔(مجمع الانہر، جلد3، صفحہ118، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

3۔۔۔(تنویر الابصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب الصرف، جلد7، صفحہ566، مطبوعہ کوئٹہ)

4۔۔۔(بحر الرائق، جلد6، صفحہ133، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی)

شرط جاز"ترجمہ: قرض کے ساتھ جائز شرائط بھی لاحق نہیں ہوتیں، تو فاسد شرائط بدرجہ اولیٰ اس کو باطل نہیں کر سکتیں، بلکہ فاسد شرط، مثلاً "قرض کی واپسی میں دوسری چیز لوٹانی ہوگی" خود لغو قرار پائے گی، لہٰذا اگر کسی نے کھوٹے دراہم اس شرط پر قرض لیے کہ واپس صحیح دراہم ادا کرے گا، تو یہ شرط باطل ہے اور قرض کی واپسی میں، قرض لیتے ہوئے، جن دراہم پر قبضہ کیا تھا، انہیں کی مثل درہم لوٹانا ضروری ہے، ہاں! مشروط نہ ہو، تو عمدہ ادا کرنا، جائز ہے۔[1]

بہار شریعت میں ہے:"واپسی قرض میں اُس چیز کی مثل دینی ہوگی، جو لی ہے، نہ اُس سے بہتر نہ کمتر، ہاں! اگر بہتر ادا کرتا ہے اور اس کی شرط نہ تھی، تو جائز ہے۔"[2]

بیع (خرید و فروخت) میں ثمن اصل کے مقابلے میں ہوتا ہے، وصف کے مقابلے میں نہیں، جیسا کہ تبیین الحقائق میں ہے:"لأن الذراع وصف للمذروع فلایںقسم الثمن على الأوصاف فيكون كل الثمن مقابلا بالعين كلها۔۔۔ لأن الوصف لايقابله شيء من الثمن"ترجمہ: ذراع وصف ہے اور ثمن اوصاف پر منقسم نہیں ہوتا، بلکہ تمام ثمن عین کے مقابلے میں ہوتا ہے، کیونکہ وصف کے مقابلے میں ثمن کا حصہ نہیں ہوتا۔[3]

بہار شریعت میں ہے:"وصف کے مقابل میں ثمن کا حصہ نہیں ہوتا۔"[4]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی

1...(تنویر الابصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب الصرف، جلد7، صفحہ412،413، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(بہارِ شریعت، جلد2، حصہ11، صفحہ759، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

3...(تبیین الحقائق، کتاب البیوع، جلد4، صفحہ6، مطبوعہ دار الکتاب الإسلامي)

4...(بہارِ شریعت، جلد2، حصہ11، صفحہ630، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
01رمضان المبارک 1445ھ/12مارچ 2024ء

فتویٰ 18:

سونے کی کمیٹی ڈالنے کی ایک ناجائز صورت

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ سونے کی کمیٹی میں اگر یہ شرط رکھی جائے کہ اگر کسی مہینے مارکیٹ میں سونا شارٹ ہوا، تو اس مہینے جس فرد کی کمیٹی نکلے گی، اسے سونے کی بجائے، اس دن جو سونے کا بازار میں ریٹ ہو گا، اس حساب سے رقم دے دی جائے گی اور پھر باقی کمیٹیوں میں معمول کے مطابق سونا ہی دیا جاتا رہے گا، اگرچہ سونے کا ریٹ کم یا زیادہ ہوتا رہے۔ کیا یہ شرط رکھنا جائز ہے؟ کیا اس شرط سے کمیٹی کے جائز یا ناجائز ہونے پر کوئی فرق پڑے گا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

پوچھی گئی صورت میں سونے کی کمیٹی میں بیان کردہ شرط لگانا، ناجائز و گناہ ہے، البتہ اس ناجائز شرط کی وجہ سے کمیٹی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بلکہ خود یہ شرط باطل قرار پائے گی۔

مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ سونے کی کمیٹی کا لین دین در حقیقت قرض کا لین دین ہے اور قرض کا ضابطہ یہ ہے کہ اس میں جو چیز بطورِ قرض دی ہے، اسی کی مثل واپس کرنا ضروری ہے، نیز اگر قرض میں کوئی ناجائز شرائط لگا دی جائیں، تو وہ شرائط خود باطل ہو جاتی ہیں اور جو چیز قرض میں لی جاتی ہے، اسی کی مثل دینا لازم ہوتا ہے، لہٰذا پوچھی گئی صورت میں یہ شرط لگانا کہ "جس مہینے سونا شارٹ ہوا، اس مہینے بازار میں جو سونے کی قیمت ہو گی، اس کے حساب سے

رقم دے دی جائے گی اور بقیہ مہینوں میں معمول کے مطابق سونا ہی ملے گا" ناجائز ہے اور اس شرط کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور کمیٹی نکلنے کی صورت میں سونا ہی واپس کرنا لازم ہو گا، جس مہینے سونا شارٹ ہو گا، تو مارکیٹ میں سونا آنے تک انتظار کیا جائے گا، جب سونا دستیاب ہو گا، تو کمیٹی نکلنے پر اسی معیار، مقدار اور کوالٹی کا سونا دینا ضروری ہو گا، جس معیار، مقدار اور کوالٹی کا سونا کمیٹی میں جمع کروایا گیا تھا، کسی ایک کو بھی مقدار یا کوالٹی میں کمی بیشی کے ساتھ دینا، جائز نہیں، مثلاً اگر کمیٹی میں 24 کیرٹ والا سونا جمع کروایا گیا تھا، تو کمیٹی نکلنے پر بھی 24 کیرٹ والا سونا ہی دینا ضروری ہو گا۔

سونے کی کمیٹی ڈالنا قرض کی صورت ہے اور قرض میں شرائط کا اعتبار نہیں کیا جاتا، جیسا کہ در مختار و تنویر الابصار میں ہے: والنظم بین الهلالین للتنویر: ”(القرض لا یتعلق بالجائز من الشروط فالفاسدمنهالایبطله ولكنه یلغوشرط ردشئ آخر،فلو استقرض الدراهم المكسورة على أن يؤدي صحيحا كان باطلا)۔۔۔(و كان عليه مثل ماقبض)فإن قضاه أجود بلا شرط جاز“ ترجمہ: **قرض کے ساتھ جائز شرائط بھی لاحق نہیں ہوتیں، تو فاسد شرائط بدرجہ اولیٰ اس کو باطل نہیں کر سکتیں، بلکہ فاسد شرط، مثلاً "قرض کی واپسی میں دوسری چیز لوٹانی ہو گی" خود لغو قرار پائے گی،** لہٰذا اگر کسی نے کھوٹے دراہم اس شرط پر قرض لیے کہ واپس صحیح دراہم ادا کرے گا، تو یہ شرط باطل ہے اور قرض کی واپسی میں قرض لیتے ہوئے، جن دراہم پر قبضہ کیا تھا، انہیں کی مثل لوٹانا ضروری ہے، ہاں! عمدہ ادا کرنا، جبکہ مشروط نہ ہو، تو (عمدہ ادا کرنا) جائز ہے۔[1]

1...(تنویر الابصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب الصرف، جلد7، صفحہ412،413، مطبوعہ کوئٹہ)

اور سونا شارٹ ہونے کی صورت میں انتظار کیا جائے گا،جب مارکیٹ میں دستیاب ہو گا،تو ادا کر دیا جائے گا،جیسا کہ محیط برہانی میں ہے:"رجل استقرض من آخر شیئاً من الکیلی أو الوزنی وانقطع عن أیدی الناس،قال:یجبر المقرض علی التأخیر حتی یدرک الحدیث عند أبی حنیفة۔۔۔لان الانقطاع عن ایدی الناس یجری مجری الھلاک ومن مذھب ابی حنیفة رحمه اللہ ان الحق لا ینقطع عن الغیر بهلاک العین علی ما عرف فی موضعه واذا بقی الحق فی العین ولوجود العین غایة معلومة یجبر علی التاخیر الی وقت وجوده لیصل الیه عین حقه أکثر ما فیه أن فی التأخیر ضرب ضرر للمقرض إلا أن فی أخذ غیر الحق ضرراً للمستقرض،وھذا الضرر فوق ضرر التأخیر، فکان أولی بالدفع" ترجمہ:ایک شخص نے دوسرے سے کوئی کیلی یا موزونی چیز قرض لی اور وہ لوگوں کے ہاتھوں سے منقطع ہو گئی(یعنی شارٹ ہو گئی،تو اس کے متعلق)فرمایا:امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک جب تک نئی نہ آجائے،اس وقت تک قرض مؤخر کرنے پر قرض دینے والے کو مجبور کیا جائے گا،کیونکہ کسی چیز کا لوگوں کے پاس سے ختم ہو جانا،اس کے ہلاک ہونے کے قائم مقام ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ عین کے ہلاک ہو جانے سے کسی کا دوسرے شخص سے حق ختم نہیں ہوتا،جیسا کہ اس کے مقام پر اس بات کو جان لیا گیا اور جب عین چیز میں حق باقی ہو اور اس کے پائے جانے میں ایک معلوم مدت بھی ہو، تو قرض خواہ کو اس کے پائے جانے تک مؤخر کرنے پر مجبور کیا جائے گا،(کیونکہ)اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ تاخیر سے قرض دینے میں ایک قسم کا ضرر ہے،مگر جس چیز پر حق نہیں،اس چیز کو لینے میں قرض لینے والے کا ضرر ہے اور یہ ضرر تاخیر کے ضرر سے زیادہ ہے،پس اسی کو دور کرنا

اولیٰ ہے۔[1]

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
28 رمضان المبارک 1445ھ/08 اپریل 2024ء

1...(المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی، کتاب البیع، جلد 7، صفحہ 129، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

﴿باب چہارم﴾

کمیٹی کے متفرق احکام

فتوی 19:

کمیٹی کی رقم چوری ہو جائے، تو کیا حکم ہو گا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کمیٹی جمع کرنے والے سے اگر کمیٹی کی رقم چوری ہو جائے، تو کیا حکم ہو گا، کیا دیگر ممبران، ایڈمن یعنی کمیٹی جمع کرنے والے سے اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

نفسِ مسئلہ جاننے سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ کمیٹی ایڈمن یعنی کمیٹی جمع کرنے والے کے پاس کمیٹی کی جمع شدہ رقم کی حیثیت یا تو امانت ہو گی یا قرض۔ اگر کمیٹی ممبران کی طرف سے کمیٹی ایڈمن کو صراحتاً یا دلالتاً کمیٹی کی رقم استعمال کرنے کی اجازت ہو، تو وہ قرض کہلائے گی اور اگر یہ صراحتاً یا دلالتاً یہ طے ہو کہ کمیٹی ممبران جو رقم جمع کروا رہے ہیں، وہ بعینہ محفوظ رکھی جائے گی، منتظم اپنے استعمال میں نہیں لائے گا، تو یہ رقم امانت کہلائے گی۔ اور اگر کسی بھی چیز کی صراحت نہیں کی گئی کہ جس سے رقم کے امانت یا قرض ہونے کا معلوم ہو، تو وہاں کا عرف دیکھا جائے گا کہ یہاں لوگ استعمال کرنے کی اجازت کے ساتھ رقم جمع کرواتے ہیں، تو قرض سمجھا جائے گا، جیسا کہ ہمارے ہاں عموماً مارکیٹوں میں چلنے والی کمیٹیوں میں استعمال کی اجازت ہوتی ہے اور جہاں لوگ بطورِ امانت دیتے ہوں، جیسا کہ بعض جگہوں پر گھروں میں ڈالی جانے والی بعض کمیٹیوں میں جمع کی ہوئی رقم خرچ نہیں کی جاتی، بلکہ بعینہ جمع شدہ رقم ہی آگے ممبر کو منتقل کر دی جاتی ہے، تو وہاں بعینہ رقم کو محفوظ رکھنا ضروری ہو گا۔

تمہیدی گفتگو سمجھنے کے بعد نفسِ مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ اگر منتظم کے پاس کمیٹی کی جمع شدہ رقم کی حیثیت قرض کی تھی یا وہاں کا عرف یہ ہو کہ لوگ استعمال کی اجازت کے ساتھ جمع کرواتے ہوں، تو ایسی صورت میں رقم چوری ہونے کے بعد اس کی ذمہ داری جمع کرنے والے پر ہو گی، کیونکہ مقروض کے پاس سے قرض کی رقم اگر چوری ہو جائے، تو اس سے قرض پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ قرض خواہ اس سے مطالبے کا پورا حق رکھتا ہے اور قرض میں مطالبہ کے وقت مثلی چیز کو ادا کرنا لازم ہوتا ہے، لہٰذا ممبران کے مطالبہ کی صورت میں ایڈمن پر اتنی رقم واپس کرنا لازم ہو گا۔

اور اگر ایڈمن کے پاس کمیٹی کی رقم بطورِ امانت تھی یا وہاں کا عرف یہ ہو کہ لوگ بعینہ وہی رقم محفوظ رکھنے کے لیے جمع کرواتے ہوں، جیسا کہ بعض گھروں میں ڈالی جانے والی کمیٹیوں میں ایسا ہوتا ہے، تو چوری ہونے کی صورت میں رقم کا تاوان لازم ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے اُصول یہ ہے کہ جس کے پاس رقم امانت رکھوائی گئی اور اس سے وہ ہلاک (ضائع، چھین یا چوری) ہو گئی، تو دیکھا جائے گا کہ اس میں امین کی طرف سے تعدی یعنی غفلت اور کوتاہی کار فرما ہے یا نہیں؟ اگر امین کی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے امانت ہلاک ہوئی، تو اس کا ذمہ دار امین ہی ہو گا، اگرچہ وہ غفلت اور کوتاہی خطاءً یا نسیاناً (غلطی یا بھولے سے) ہی کیوں نہ واقع ہوئی ہو، البتہ اگر امین نے امانت کی حفاظت میں کسی طرح کی غفلت کا مظاہرہ نہ کیا، بلکہ اس کو سنبھال کر رکھا، پھر بھی امانت ہلاک ہو گئی، تو اس صورت میں امین ذمہ دار نہ ہو گا، لہٰذا کمیٹی کی رقم جمع کرنے والے کے پاس سے اگر اس کی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے چوری ہو جائے، تو جمع کرنے والے پر کمیٹی کی رقم کا تاوان لازم ہو گا، البتہ اگر ایڈمن نے کمیٹی کی رقم کو بحفاظت رکھا اور چوری سے بچانے کے لیے عام

طور پر جو اقدامات کیے جاتے ہیں، ان کو بروئے کار لایا، مگر پھر بھی کمیٹی کی رقم چوری ہو گئی، تو جمع کرنے والے پر کمیٹی کی رقم کا تاوان لازم نہیں ہو گا۔

قرض کی تعریف کے متعلق تنویر الابصار، در مختار اور ردالمحتار میں ہے: ”ماتعطیه من مثلی لتتقاضاه(کان علیه أن یقول لتتقاضی مثله)خرج نحو ودیعة وھبة أی خرج ودیعة وھبة (ونحوھما کعاریة وصدقة،لأنه یجب ردعین الودیعة والعاریة ولایجب ردشیء فی الھبة والصدقة)“یعنی شرعاً قرض یہ ہے کہ آپ کسی کو مثلی مال (رقم،غلہ،وغیرہ)اس طور پر دیں کہ بعد میں آپ اسی کی مثل واپس لیں گے،اس تعریف سے ودیعت(امانت)،ہبہ(گفٹ)،عاریت اور صدقہ نکل گئے،کیونکہ ودیعت اور عاریت میں تو بعینہ چیز کو لوٹانا واجب ہوتا ہے اور ہبہ و صدقہ میں کچھ بھی لوٹانا واجب نہیں ہوتا۔[1]

امانت کی حفاظت میں عُرف کا اعتبار ہے یعنی عرف میں جس طرح اُس چیز کی حفاظت کی جاتی ہے، ویسے حفاظت کرنا ضروری ہے، ورنہ ضائع ہونے کی صورت تاوان لازم ہو گا، جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے: ”اذاربط دابة الودیعة علی باب داره ترکھا و دخل الدار فضاعت ان کان بحیث یراھا فلا ضمان وان کان بحیث لا یراھا فان کان فی المصر فھو ضامن وان کان فی القری فلا ضمان وان کان ربطھا فی الکرم وذھب قیل ان غابت عن بصره فھو ضامن و قیل یعتبر العرف فی ھذا واجناسه ھکذا فی الظھیریة“ترجمہ: جب امین نے امانت کے جانور کو اپنے گھر کے دروازے کے پاس باندھ کر چھوڑ دیا اور گھر میں چلا گیا اور وہ امانت ضائع ہو گئی، تو اگر وہ ایسی جگہ تھی کہ گھر میں رہتے ہوئے، اس کو دیکھ سکتا تھا، تو کوئی ضمان نہیں اور اگر وہ ایسی جگہ پر تھا کہ وہ

1۔۔۔(ردالمحتار علی الدر مختار، کتاب البیوع، فصل فی القرض، جلد7، صفحہ407-406، مطبوعہ کوئٹہ)

اسے نہیں دیکھ سکتا تھا، تو دیکھا جائے گا کہ وہ شہر میں تھا یا گاؤں میں؟ اگر شہر میں تھا، تو وہ ضامن ہے اور اگر بستی میں تھا، تو تاوان نہیں اور اگر اس نے اسے باغ میں باندھا اور وہ بھاگ گیا، تو کہا گیا ہے کہ اگر وہ نظروں سے غائب تھا، تو وہ ضامن ہے **اور ایک قول یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل (حفاظت کے معاملے) میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔**(1)

اور امانت کا تاوان لازم ہونے کے لیے تعدی یا بے احتیاطی کا قصداً پایا جانا ضروری نہیں، خطاءً یا نسیاناً تعدی پائی گئی، تب بھی تاوان لازم ہے، جیسا کہ اسی میں ہے: ”ان ظن أنه جعلها فی جیبه فاذا هی لم تدخل فی الجیب فعلیه الضمان کذافی المحیط“ ترجمہ: اگر امین نے گمان کیا کہ اس نے امانت کے دراہم کو جیب میں ڈال لیا ہے، جبکہ وہ اس وقت جیب میں نہیں گئے تھے، تو اس پر ضمان ہے۔ (اس صورت میں خطاءً تعدی پائی جا رہی ہے کہ وہ تو جیب میں ڈالنا چاہ رہا تھا، لیکن غلطی سے باہر گر گئے، لیکن پھر بھی تاوان لازم ہے)۔(2)

نسیاناً تعدی پائی جانے کے باوجود تاوان لازم ہوتا ہے، جیسا کہ اسی فتاوی ہندیہ میں ہے: ”لو قال المودع وضعت الودیعة بین یدي قمت و نسیتها فضاعت ضمن و به یفتی“ ترجمہ: اگر مودع نے کہا میں نے امانت اپنے سامنے رکھی تھی، پھر میں کھڑا ہو گیا اور اسے بھول گیا، تو وہ ضائع ہو گئی، (اس صورت میں) وہ ضامن ہو گا اور اسی پر فتوی ہے۔(3)

اور امانت امین کی تعدی سے ہلاک ہو جائے، تو وہ غاصب ہے اور اس پر تاوان لازم ہو جاتا ہے، جیسا کہ فتاوی رضویہ میں ہے: ” اگر دعوٰی استہلاک کا تھا یعنی اتنا زیور اسے عاریۃً

1...(الفتاوی الهندیة، کتاب الودیعة، جلد4، صفحه344، مطبوعه کوئٹه)

2...(الفتاوی الهندیة، کتاب الودیعة، جلد4، صفحه345، مطبوعه کوئٹه)

3...(الفتاوی الهندیة، کتاب الودیعة، جلد4، صفحه342، مطبوعه کوئٹه)

دیا تھا،اس نے تلف کر دیا، تو اب یہ بعینہ دعوی غصب ہے اور اس کا حکم وہ ہے،جو اوپر مذکور ہوا:"وذلک لان الامانات تنقلب مضمونات بالتعدی والامین یعود به غاصبا"یعنی یہ تاوان اس لئے ہے کہ امانتیں تعدی کی وجہ سے مضمون ہو جاتی ہیں اور امین اس تعدی کی وجہ سے غاصب ہو جاتا ہے۔"[1]

و اللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح

مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو الفیضان عرفان احمد مدنی

26شعبان المعظم1445ھ/08مارچ2024ء

فتویٰ20:

کمیٹی جمع کرنے والا بھاگ جائے، تو ذمہ دار کون؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے بکر کے کہنے پر کسی کے پاس کمیٹی ڈالی اور طے یہ ہوا کہ پہلی کمیٹی منتظم ہی لے گا،اُس(منتظم) نے کمیٹی کی رقم تمام ممبران سے جمع کی اور سب کی رقم لے کر فرار ہو گیا، تو کیا اس صورت میں زید اپنی جمع شدہ رقم کا مطالبہ بکر سے کر سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ زید بکر کے کہنے پر ہی کمیٹی میں شریک ہوا تھا۔ اس حوالے سے رہنمائی فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

نفسِ مسئلہ جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ مشورہ دینے والا کب ضامن ہو گا اور

1...(فتاوی رضویہ، جلد18، صفحہ411، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

کب نہیں؟

مشورہ دینے والا صرف اُسی صورت میں ضامن قرار پاتا ہے، جب یہ شرعی طور پر کفیل بھی بن جائے اور مشورہ دینے والا شرعی طور پر کفیل اس طرح بنے گا کہ جب یہ ایسے الفاظ کے ساتھ ضمانت دے، جو التزام پر دلالت کرتے ہوں، مثلاً: یوں کہے کہ: میں ضامن ہوں، مجھ پر لازم ہے، وغیرہ، یا کفالت کے الفاظ بطریقِ تعلیق استعمال کرے، مثلاً: یوں کہے کہ اگر اس نے رقم نہ دی، تو میں ادا کر دوں گا وغیرہ، تو یہ صورت شرعی اصطلاح میں "کفالہ" کہلاتی ہے اور مشورہ دینے والا کفیل وضامن قرار پائے گا اور کفالہ میں رقم دینے والے کو اختیار ہوتا ہے کہ ضمانت دینے والے سے رقم کا مطالبہ کرے یا جس کو رقم دی تھی، اُس سے مطالبہ کرے اور اگر صرف اتنا کہا کہ فلاں پر جو قرض ہے یا اس کے پاس جو امانت ہے، وہ میں ادا کر دوں گا، تو کفیل (ضامن) ذمہ دار نہ ہو گا، کیونکہ اس میں نہ تو التزام ولزوم کے الفاظ ہیں اور نہ ہی شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہے، تو یہ صرف ایک خالی وعدہ ہو گا اور وعدہ بغیر تعلیق کے قضاءً کسی صورت لازم نہیں ہوتا۔

<u>اس تمہید کو سمجھنے کے بعد نفسِ مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ</u> اگر بکر نے زید کو کمیٹی ڈالنے کا صرف مشورہ دیا تھا کہ فلاں بندہ کمیٹی شروع کر رہا ہے، تم اگر ڈالنا چاہتے ہو، تو وہاں ڈال لو (یعنی تم اگر کمیٹی میں شامل ہونا چاہتے ہو، تو اس میں شامل ہو جاؤ)، تو ایسی صورت میں بکر شرعی طور پر کفیل نہ ہونے کی وجہ سے کسی بھی چیز کا ذمہ دار نہ ہو گا۔ اور اگر بکر نے مشورہ دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ میں ضامن ہوں، مجھ پر لازم ہے، وغیرہ یا یوں کہا تھا کہ اگر اس نے رقم نہ دی، تو میں ادا کر دوں گا وغیرہ، تو اس صورت میں بکر ضامن ہو گا، اب زید کو اختیار ہو گا، چاہے تو رقم کا مطالبہ بکر سے کرے / جس کو کمیٹی جمع کروائی تھی، اُس سے کرے۔

کفالت کی تعریف کے متعلق تنویر الابصار اور در مختار میں ہے:"ھی ضم ذمة الکفیل الی ذمة الاصیل فی المطالبة مطلقاً بنفس اوبدین او عین کالمغصوب ونحوہ"ترجمہ: کفیل کے ذمہ کو اصیل کے ذمہ کے ساتھ مطالبے میں ملا دینا، خواہ وہ مطالبہ نفس کا ہو یا دَین یا عین، مثلاً مغصوبہ چیز یا اس کی مثل کا۔

کفالت کی شرائط کے متعلق درر الحکام، فتح القدیر اور رد المحتار میں ہے:واللفظ للاوّل:" (قال أدفعه إليک أو أقضيه لا يكون كفالة إلا أن يذكر مايدل على الالتزام أوعلق)قال في الخلاصة.وفي فتاوى النسفي لو قال لصاحب الدين الدين الذي لک على فلان أنا أدفعه إليک أو أقضيه،لا يكون كفالة مالم يتكلم بما يدل على الالتزام بأن يقول كفلت أو ضمنت أو على أو إلى أما لو قال تعليقا يكون كفالة نحو إن قال إن لم يؤد فلان فأنا أؤدي تصح" ترجمہ: اگر کسی نے کہا(تیرا فلاں پر جو قرض ہے)وہ میں تمہیں دوں گا یا میں ادا کردوں گا، **تو یہ کفالت نہیں ہوگی، مگر یہ کہ ایسے الفاظ ذکر کرے، جو التزام پر دلالت کرتے ہوں یا بطریقِ تعلیق الفاظ کہے ہوں۔** خلاصہ میں فرمایا: فتاویٰ نسفی میں ہے کہ اگر کسی نے قرض خواہ کو کہا کہ تمہارا جو قرض فلاں پر ہے، وہ میں دوں گا یا میں ادا کردوں گا، تو یہ کفالت نہیں ہوگی، جب تک کہ ایسے الفاظ نہ بولے جو التزام پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً میں کفیل ہوں یا میں ضامن ہوں یا مجھ پر لازم ہے یا میرے ذمہ ہے، لیکن اگر (التزام کے الفاظ نہیں بولے، بلکہ)بطریقِ تعلیق الفاظ کہے، مثلاً اگر (تمہاری رقم)فلاں ادا نہ کرے، تو میں ادا کردوں گا، تو یہ کفالت صحیح ہوگی۔[1]

کفالت میں رقم کا مطالبہ کس کس سے ہو سکتا، اس کے متعلق علامہ بُرہانُ الدین

---

1 ...(درر الحکام، کتاب الکفالۃ، ارکان الکفالۃ، جلد 2، صفحہ 301، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیۃ)

مرغینانی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:593ھ/1196ء) لکھتے ہیں:"الکفالة ضربان: کفالة بالنفس و کفالة بالمال،فالکفالة بالنفس جائزة والمضمون بها احضار المکفول به۔۔۔واما الکفالة بالمال فجائزة معلوماً کان المکفول به او مجهولا والمکفول له بالخیار ان شاء طالب الذی علیه الاصل و ان شاء طالب کفیله"ترجمہ: کفالت کی دو قسمیں ہیں: کفالت بالنفس اور کفالت بالمال، کفالت بالنفس درست ہے اوراس میں مکفول بہ کو حاضر کرنے پر ضمانت دی جاتی ہے۔۔۔ اور کفالت بالمال بھی جائز ہے،خواہ مال کی مقدار معلوم ہو یا مجہول اور مکفول لہ کو اختیار ہے،چاہے اُس سے مطالبہ کرے،جس پر اصل مطالبہ ہے اوراگرچاہے،تواس کے کفیل سے مطالبہ کرے۔[1]

اصیل کے رقم ادا نہ کرنے یا فرار ہونے پر کفیل(ضمانت دینے والے)سے قرض کی رقم کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ فتاوی رضویہ میں ہے:"**ہاں اگر زید نے یہ کہا کہ یہ نہ دے،تو میں ادا کروں گا،توبلاشبہ بکراس قدرروپیہ کازید(کفیل)سے مطالبہ کرسکتاہے۔**"[2]

کسی کو محض قرض دینے کا مشورہ دیا،لیکن اس کی طرف سے کفیل نہیں بنا،تو یہ ذمہ دار نہیں،جیساکہ فتاوی رضویہ میں ایک سوال کے جواب میں امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:"کفالت بالمال کا مطالبہ ہندہ کو خالد پر اصلاً نہیں پہنچتا،بوجوہ:وجہ اول: **خالد نے یہ نہ لکھا کہ اگر زید بھاگ جائے،تو ہندہ کے دَین یا مال یا زر دعوٰی یا اس قدر روپے کا میں ذمہ دار ہوں**،بلکہ مطالبہ کا ذمہ دار ہوا اور مطالبہ ودین میں فرق بدیہی ہے۔[3]

1...(ھدایہ، کتاب الکفالۃ، جلد3،صفحہ87،مطبوعہ داراحیاء التراث العربی،بیروت)

2...(فتاویٰ رضویہ، جلد17،صفحہ654،مطبوعہ رضافاؤنڈیشن،لاھور)

3...(فتاویٰ رضویہ، جلد17،صفحہ659،مطبوعہ رضافاؤنڈیشن،لاھور)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
26 جمادی الثانی 1445ھ/09 جنوری 2024ء

فتویٰ 21:

جس کی کمیٹی نکلے اس کا کھانا کھلانا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض بڑی بڑی کمیٹیوں میں جب کسی ممبر کی کمیٹی نکلتی ہے، تو اس سے دیگر ممبران کی طرف سے ٹریٹ کے نام پر مٹھائی، پزّا، برگر وغیرہ دعوت کا مطالبہ کیا جاتا ہے، ہماری رہنمائی فرمائی جائے کہ کمیٹی نکلنے پر دیگر ممبران کا مطالبہ کرنا اور ان کو دعوت وغیرہ کھلانا اور کھانا، جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

پوچھی گئی صورت میں کمیٹی نکلنے پر دیگر ممبران کی طرف سے کچھ کھلانے کے مطالبے پر کچھ کھلانا اگر مجبوراً ہو کہ نہ کھلانے کی صورت میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، اس لیے اپنی عزت بچانے اور شرمندگی سے بچنے کے لئے کھلائے، تو اس صورت میں کھلانے والا تو اگرچہ گنہگار نہیں ہوگا، لیکن کھانے والوں کے حق میں یہ رشوت ہی ہے اور قرآن و حدیث میں رشوت کی سخت مذمت بیان ہوئی ہے۔

البتہ اگر یہ کھانا، کھلانا مجبورانہ ہو، یعنی کھلانے والے کو نہ تو شرمندہ کیا جائے اور نہ ہی وہ عزت بچانے کی خاطر کھلا رہا ہو، بلکہ اپنی دِلی خوشی سے کوئی چیز کھلا دے، تو اس صورت میں کچھ

کھلانے یا کھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، تاہم پھر بھی اس سے بچنا چاہیے کہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایک فرد کھلا دے، تو دیگر افراد کو مروّت میں کھلانا پڑتا ہے اور یوں نوبت ممنوع کام تک پہنچ جاتی ہے، لہٰذا تقوی و احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس سے بھی بچا جائے۔

رشوت کی مذمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ ترجمہ کنز العرفان: بڑے جھوٹ سننے والے بڑے حرام خور۔[1]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں مفسّر قرآن امام ابو بکر احمد بن علی جَصَّاص رازی حنفی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات: 370ھ/980ء) لکھتے ہیں: "اتفق جمیع المتاولین لھذہ الآیۃ علی ان قبول الرشا حرام و اتفقوا انہ من السحت الذی حرمہ اللہ تعالی" ترجمہ: اس آیت کے تحت کلام کرنے والے تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ رشوت کا قبول کرنا حرام ہے اور اس بات پر (بھی) اتفاق ہے کہ رشوت بھی، سُحت سے ہی ہے، جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔[2]

حضرت عبد اللہ ابن عمرو رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْھُمَا سے روایت ہے: "لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الراشی والمرتشی" ترجمہ: رسول اللہ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت فرمائی۔[3]

رشوت کی تعریف بیان کرتے ہوئے، علامہ ابنِ عابدین شامی دِمشقی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات: 1252ھ/1836ء) لکھتے ہیں: "الرشوۃ: ما یعطیہ الشخص الحاکم وغیرہ لیحکم لہ او

1...(پارہ 06، سورۃ المائدۃ آیت: 42)

2...(احکام القرآن للجصاص، جلد 2، صفحہ 607، مطبوعہ کراچی)

3...(سنن ابوداؤد، باب فی کراھیۃ الرشوۃ، جلد 5، صفحہ 433، مطبوعہ دار الرسالۃ العالمیۃ)

یحملہ علی ما یرید "ترجمہ: رشوت اس چیز کا نام ہے، جو آدمی حاکم یا کسی اور کو کچھ دے تا کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے یا وہ چیز رشوت دینے والے کو اپنے من چاہے کام پر ابھارے۔[1]

اپنی عزت بچانے کی خاطر دیئے جانے والے پیسوں کے متعلق حکم شرعی بیان کرتے ہوئے، سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:1340ھ/1921ء) لکھتے ہیں: لوگ کہ اپنی آبرو بچانے کو دیتے ہیں خاص رشوت دیتے ہیں اور رشوت صریح حرام، بایں ہمہ شرع نے حفظِ آبرو کے لئے انہیں دینا دینے والے کے حق میں رَوا فرمایا، اگر چہ لینے والے کو بدستور حرام محض ہے۔"[2]

اگر کوئی شخص اپنی دلی خوشی سے کچھ دے، تو اس کو لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، چنانچہ حدیث پاک میں ہے: "عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه" ترجمہ: حضرتِ ابو حرہ رقاشی اپنے چچا رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: خبر دار! ظلم نہ کرنا، خبر دار کسی شخص کا مال دوسرے کو حلال نہیں، مگر اس کی خوش دلی سے۔[3]

مذکورہ بالا حدیث پاک کے الفاظ (إلا بطیب نفس منه) کے تحت علامہ علی قاری حنفی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:1014ھ/1605ء) لکھتے ہیں: " أي: بأمر أو رضا منه" ترجمہ: یعنی اس

1...(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب القضاء، جلد8، صفحہ42، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ300، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

3...(السنن الکبری للبیهقی، کتاب الغصب، جلد6، صفحہ166، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کے حکم یا اس کی رضامندی سے۔[1]

فتاوی رضویہ میں امام اہلسنت رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہ سے سوال ہوا کہ ایک لڑکی کو اُستاد نے اس کے باپ کے یہاں قرآن شریف وغیرہ پڑھایا اور اس مدتِ تعلیم میں والدِ لڑکی نے استاد کو کچھ اُجرت ومشاہیر وغیرہ نہیں دیا پھر بروقت شادی اس لڑکی کے استاد کو دولہا کی طرف والوں سے یعنی دولہا یا والد وغیرہ سے روپیہ دلوایا، گویا نوشاہ والوں نے بغرض مجبوری یا خوشی سے دیا، لہٰذا اس صورت میں اس اُستاد کو وہ روپیہ لینا جائز ہوا یا ازروئے شرع شریف کے ناجائز؟ اس کے جواب میں امام اہلسنت رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہ لکھتے ہیں: اگر بخوشی دیا، لینا جائز ہے، اور مجبوری سے دیا تو حرام۔"[2]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــــــــــــــہ
مفتی محمد قاسم عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
	18 شعبان المعظم 1445ھ/29 فروری 2024ء

فتویٰ 22:

کمیٹی نکلنے پر کچھ رقم نقد دینا اور کچھ کے بدلے سامان دینا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں ایک کمیٹی ڈالی جاتی ہے، جس کا طریقہ کار یہ ہے کہ جب کمیٹی نکلے گی، تو پوری کمیٹی نقد کی صورت میں نہیں دی جائے گی، بلکہ کچھ حصہ نقدی کی صورت میں اور کچھ رقم کے بدلے کوئی سامان

1...(مرقاۃ المفاتیح، جلد 5، صفحہ 1974، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

2...(فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ 545، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

دیا جائے گا، مثلاً لاکھ روپے کی کمیٹی ہے، تو 70 ہزار نقد دیئے جائیں گے اور 30 ہزار کے بدلے کوئی چیز دی جائے گی، کیا ایسی کمیٹی ڈالنا شرعاً جائز ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

بیان کردہ طریقہ کار کے مطابق کمیٹی ڈالنا، شرعاً ناجائز و گناہ ہے۔

تفصیل یہ ہے کہ کمیٹی کا لین دین درحقیقت قرض کا لین دین ہے اور قرض کا ضابطہ یہ ہے کہ اس میں جو چیز بطورِ قرض دی جائے، اُسی کی مثل واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، نیز اگر قرض میں کوئی ناجائز شرائط لگادی جائیں، تو وہ شرائط خود باطل ہو جاتی ہیں، لیکن ان شرائط کی بنا پر عقدِ قرض پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا کمیٹی میں یہ شرط لگانا کہ "کچھ رقم کے بدلے کوئی چیز، سامان وغیرہ دیا جائے گا" ناجائز ہے اور اس شرط کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور کمیٹی نکلنے کی صورت میں مکمل رقم ہی واپس کرنا لازم ہو گا۔

مزید یہ بھی یاد رہے کہ مذکورہ صورت میں کمیٹی کی جس بقیہ رقم کے بدلے کوئی چیز دی جارہی ہے، وہ بھی قرض ہی ہے۔ قیمت نہیں، کیونکہ اس رقم کے قیمت بننے کے لیے شرعاً بیع و شراء کا پایا جانا ضروری ہے، جبکہ یہاں بیع تو ابھی ہوئی ہی نہیں کہ اس میں ایجاب و قبول ہی نہیں ہوا، جب یہ بیع (خرید و فروخت) نہ ہوئی، تو محض وعدۂ بیع کہلائے گا اور کمیٹی کی رقم قرض ہی رہے گی، گویا کمیٹی کی رقم جمع کروانے میں یہ شرط رکھی گئی کہ اس کے بدلے سامان خریدا جائے گا اور شریعت نے اس عمل کو بھی سود قرار دیا ہے جو کہ ناجائز و گناہ ہے، لہٰذا اس وجہ سے بھی مذکورہ کمیٹی ڈالنا گناہ ہے۔

نوٹ: اس کا ایک درست طریقہ اپنایا جاسکتا، جس کی تفصیل نیچے آرہی ہے۔

کمیٹی کا لین دین قرض کی صورت ہے اور قرض میں شرائط کا اعتبار نہیں کیا جاتا، جو چیز قرض دی جائے وہی واپس کرنا لازم ہوتی ہے، جیسا کہ تنویر الابصار و در مختار میں ہے: ”(القرض لا یتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منها لا یبطله ولکنه یلغو شرط رد شیٔ آخر، فلو استقرض الدراهم المکسورة علی أن یؤدي صحیحا کان باطلا)۔۔۔(و کان علیه مثل ما قبض) فإن قضاه أجود بلا شرط جاز“ ترجمہ: **قرض کے ساتھ جائز شرائط بھی لاحق نہیں ہوتیں، تو فاسد شرائط بدرجہ اولیٰ اس کو باطل نہیں کر سکتیں، بلکہ فاسد شرط، مثلاً "قرض کی واپسی میں دوسری چیز لوٹانی ہوگی" خود لغو قرار پائے گی،** لہٰذا اگر کسی نے کھوٹے دراہم اس شرط پر قرض لیے کہ واپس صحیح دراہم ادا کرے گا، تو یہ شرط باطل ہے اور قرض کی واپسی میں قرض لیتے ہوئے جن دراہم پر قبضہ کیا تھا، انہیں کی مثل لوٹانا ضروری ہے، ہاں! عمدہ ادا کرنا، جبکہ مشروط نہ ہو، تو (عمدہ ادا کرنا) جائز ہے۔[1]

قرض کے بدلے کسی چیز کے خریدنے کا وعدہ کرنا، گناہ ہے، چنانچہ مجمع الانہر اور در مختار، وغیرہما کتب فقہ میں ہے: (ویکره أن یقرض بقالا درهما لیأخذ منه) أي: من البقال (به) أي بالدرهم (ما یحتاج) من الطعام وغیره (إلی أن یستغرقه) أي الدرهم فإنه قرض جر نفعا وهو منهي عنه“ ترجمہ: سبزی فروش کو قرض کے طور پر اس لئے درہم دے دینا کہ بعد میں ان کے بدلے میں جس چیز مثلاً کھانے وغیرہ کی حاجت ہوگی، تو وہ لیتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ درہم ختم ہو جائیں، تو یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ ایسا قرض ہے، جو نفع لا رہا ہے (یعنی اس سے نفع حاصل کیا جا رہا ہے)

1۔۔۔(تنویر الابصار مع الدر المختار، کتاب البیوع، باب الصرف، جلد 7، صفحہ 412،413، مطبوعہ کوئٹہ)

اور یہ بات شرعاً ممنوع ہے۔[1]

یونہی سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن(سالِ وفات:1340ھ/1921ء)لکھتے ہیں:"یہاں اور دقت درپیش ہے، یہ صورت یوں نہیں کہ پہلے سے بسبب قرض وغیرہ کسی پر کچھ دین آتا تھا، جس کے عوض کوئی شے دیگر لینانہ قرارپایا تھا، اس کے بعد مدیون نے بطورخود وعدہ کرلیا کہ میں بعوض دَین یہ شے دوں گا، یہاں تو وہ روپیہ اسی لیے دیاجاتاہے کہ اس کے عوض رس لیں گے اوراسی بناء پرلیتاہے، **تواگرچہ بیع نہ سہی مگرقرض کے ذریعہ سے نفع حاصل کرناہوا، اوروہ سود ہے۔** اب اس عقد کاحاصل یہ ہوا کہ اتنارو پیہ تجھے قرض دیتاہوں، اس شرط پر کہ تو اس کے عوض مجھے اتنارس دے قرض اگرچہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ وہ شرط ہی باطل ہوجاتی ہے۔ مگرایسا قرض خود ہی معصیت وحرام ہے۔۔۔ اور یہاں صراحۃً شرط نہ بھی کریں تاہم بحکم عرف اس کا مشروط ہونا قرض دینے لینے والے دونوں پر ظاہر وآشکار ہوتا ہے۔[2]

بہارِ شریعت میں ہے:"پنساری کو روپیہ دیتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ روپیہ سودے میں کٹتارہے گایادیتے وقت یہ شرط نہ ہو کہ سودے میں کٹ جائے گا، مگرمعلوم ہے کہ یونہی کیاجائے گا، تواس طرح روپیہ دینا، ممنوع ہے کہ اس قرض سے یہ نفع ہوا کہ اس کے پاس رہنے میں اس کے ضائع ہونے کااحتمال تھا، اب یہ احتمال جاتارہااور قرض سے نفع اٹھانا، ناجائز ہے۔"[3]

1...(مجمع الانہر، جلد4، صفحہ225، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت)
2...(فتاویٰ رضویہ، جلد17، صفحہ588، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاھور)
3...(بہارِ شریعت، جلد3، صفحہ481، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

البتہ اس کا درست طریقہ کار یہ اپنایا جاسکتا ہے:

کمیٹی نکلنے پر کچھ رقم کے بدلے کسی چیز کے خریدنے کی شرط نہ رکھی جائے، بلکہ کمیٹی نکلنے پر اگر کمیٹی کے ہر فرد کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ اگر وہ چاہے تو کمیٹی کی ساری رقم وصول کرلے اور چاہے تو کچھ رقم وصول کرلے اور بقیہ رقم کے بدلے اس وقت کے ریٹ کے مطابق کوئی متعین چیز خرید لے، تو یہ صورت جائز ہے، کیونکہ کمیٹی کا لین دین قرض ہے اور قرض دیتے وقت اس کے بدلے جب کچھ اور لینا مشروط نہ ہو، لیکن بعد میں باہمی رضا مندی سے قرض کے عوض کچھ اور لے لیا جائے، تو یہ شرعاً جائز ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے: ”اگر کسی کا کسی پر کچھ قرض آتا ہو اور مدیون برضائے خود وعدہ کرلے کہ اس کے بدلے میں تجھے فلاں چیز اس نرخ سے دوں گا، تو اس میں کوئی حرج نہیں، جس وقت دے گا، اس وقت بعوض اس قرض کے بیع ہو جائے گی۔“[1]

مزید ایک مقام پر لکھتے ہیں: ”اگرچہ اصل مقتضائے دَین یہی ہے کہ جس چیز کا مطالبہ ہے وہی دی جائے، مثلاً روپے کے روپے ہی ادا کئے جائیں، ”في الاشباه والدر وغيرهما الديون تقضى بامثالها“ (اشباہ اور درّ وغیرہ میں ہے کہ قرضے ان کی مثل سے ادا کئے جائیں گے۔) مگر ماورائے سَلَم وصَرف میں باہمی تراضی سے یہ بھی رَوا کہ دَین کا معاوضہ دوسری چیز کرلیں۔ ”في ردالمحتار طالب مديونه فبعث اليه شعير اقدرا معلوما وقال خذه بسعر البلد والسعر لهما معلوم كان بيعا“ ردالمحتار میں ہے کہ کسی نے اپنے مقروض سے قرضے کا مطالبہ کیا، تو اس نے معین مقدار میں جَو بھیجے اور کہا کہ شہر کے بھاؤ کے مطابق لے لو، اس حال میں کہ شہر کا بھاؤ دونوں کو معلوم ہے، تو

---

1 ...(فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ586، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

بیع ہو گئی۔“[1]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح	**کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــہ**
مفتی محمد قاسم عطاری	**المتخصص فی الفقہ الاسلامی**
	ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
	19ذو الحجۃ 1445ھ/26جون 2024ء

فتویٰ 23:

مسجد کے فنڈ سے کمیٹی ڈالنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ

(1) مسجد کے عمومی چندہ (Fund) سے کمیٹی ڈالنا کیسا؟

(2) اگر یہ ناجائز ہے، تو کیا مسجد کو پیسوں کی ضرورت ہونے کی صورت میں بھی اگر کسی طرح پیسوں کا انتظام نہ ہوتا ہو، تو تب بھی اس کی اجازت نہیں ہو گی؟ کیونکہ یہ ایک آسان صورت ہے جس کے ذریعے پیسے حاصل کیے جاسکتے ہیں اور پھر تھوڑے تھوڑے کرکے ماہانہ کمیٹیوں کی شکل میں مسجد کے اکٹھے ہونے والے چندے سے پورے کر دیئے جائیں گے، لہٰذا کوئی حل ہو، تو ضرور بیان فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق و الصواب

(1) کمیٹی میں دی جانے والی رقم کی حیثیت عموماً قرض کی ہوتی ہے اور مسجد کا چندہ کسی کو بطورِ قرض دینا ناجائز و گناہ ہے، لہٰذا مسجد کے چندے سے کمیٹی ڈالنا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ مسجد کا

1...(فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 244، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

چندہ مسجد میں ہونے والے عمومی اخراجات، مثلاً: تعمیرات، امام و مؤذن، خادمین کے وظائف اور صفائی ستھرائی میں ہونے والے اخراجات وغیرہ کے لیے دیا جاتا ہے، اسے اِنہی مصارف میں استعمال کرنا ضروری ہوتا ہے، ذاتی استعمال میں لانا کسی کو بطورِ قرض دینا یا مصارفِ مسجد کے علاوہ میں خرچ کرنا ناجائز و گناہ ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص مسجد کا چندہ کمیٹی میں دے گا، تو اس پر اتنی رقم کا تاوان لازم ہو گا۔

مسجد کا چندہ بطورِ قرض دینا جائز نہیں، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے: ”أن القيم ليس له إقراض مال المسجد“ ترجمہ: متولی کے لیے مسجد کا چندہ کسی کو قرض دینا جائز نہیں۔[1]

سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ سے سوال ہوا کہ متولی کا مالِ وقف بطورِ قرض اپنے استعمال میں لانا یا مالِ وقف سے کسی مسلمان کو قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے جواباً ارشاد فرمایا: ”حرام حرام، ”لانه تعدى على الوقف والقيم اقيم حافظ لا متلف“ (کیونکہ یہ وقف پر زیادتی ہے، حالانکہ متولی کو بطورِ محافظ مقرر کیا جاتا ہے، نہ کہ ضائع کرنے والا۔ اور کسی دوسرے کو قرض دینے کے متعلق فرمایا) نہ (یعنی جائز نہیں) ”لانه صرف في غير المصرف“ (کیونکہ یہ مال وقف کو غیرِ مصرف میں استعمال کرنا ہے)۔“[2]

مسجد کا چندہ مسجد کے عمومی اخراجات میں استعمال کرنا ضروری ہے، چنانچہ فتاوی امجدیہ میں ہے: ”جب عطیہ و چندہ پر آمدنی کا دارو مدار ہے، تو دینے والے جس مقصد کے لیے چندہ دیں یا کوئی اہلِ خیر جس مقصد کے متعلق اپنی جائیداد وقف کرے، اُسی مقصد میں وہ رقم یا آمدنی صَرف

1...(بحرالرائق، کتاب الوقف، جلد5، صفحہ401، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(فتاویٰ رضویہ، جلد16، صفحہ 569-570، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاہور)

کی جاسکتی ہے، دوسرے میں صرف کرنا، جائز نہیں، مثلاً: اگر مدرسہ کے لیے ہو، تو مدرسہ پر صَرف کی جائے اور **مسجد کے لیے ہو، تو مسجد پر (خرچ کرنا ضروری ہے)۔**"[1]

مسجد کے چندے سے کمیٹی ڈالنے کے متعلق مفتی محمد وقارالدین رضوی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات: 1413ھ/1992ء) سے سوال ہوا کہ "مسجد کے فنڈ سے "بی سی" ڈالی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: "مسجد کے لیے وقف شدہ آمدنی کو مسجد کے مصرف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔لہٰذا بی سی (کمیٹی) بھی نہیں ڈالی جاسکتی ہے۔"[2]

مسجد کا چندہ بطورِ قرض دینے والے پر تاوان لازم ہونے کے متعلق رد المحتار میں ہے: "في جامع الفصولين ليس للمتولي إيداع مال الوقف والمسجد إلا ممن في عياله، ولا إقراضه فلو أقرض ضمن و كذا المستقرض" ترجمہ: جامع الفصولین میں ہے کہ متولی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے اہل و عیال کے علاوہ کسی بھی فرد کے پاس مسجد یا کسی بھی موقوفہ ادارے کا چندہ بطورِ امانت رکھوائے اور نہ ہی اسے بطورِ قرض دینا جائز ہے، لہٰذا اگر متولی نے (مسجد یا موقوفہ جگہ کا) چندہ کسی کو بطورِ قرض دیا، تو اس پر تاوان ادا کرنا لازم ہو گا اور یہی حکم قرض لینے والے کے لیے ہے (کہ اسے بھی مالِ وقف اور مسجد کے مال سے قرض لینا جائز نہیں ہے۔)[3]

(2) مسجد کے جمع شدہ چندے سے کمیٹی ڈالنا تو ناجائز ہی ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، لیکن اگر مسجد کو واقعی پیسوں کی حاجت ہو اور فی الوقت قرض کے علاوہ کسی اور آسان طریقے سے یہ ضرورت و حاجت بظاہر پوری بھی نہ ہو سکتی ہو، تو پھر مخصوص شرائط کے ساتھ مسجد یا کسی بھی

1...(فتاوی امجدیہ، جلد3، صفحہ42، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی)
2...(وقارالفتاوی، جلد2، صفحہ314-315، مطبوعہ بزمِ وقارالدین، کراچی)
3...(العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، جلد1، صفحہ412، مطبوعہ کراچی)

موقوفہ جگہ کے لیے قرض لینے کی فقہائے کرام نے اجازت دی ہے اور وہ یہ کہ مسجد یا کسی بھی موقوفہ جگہ کے لیے قرض لینا، قاضی اور قاضی کی غیر موجودگی میں متولی کی اجازت سے ہو اور اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ اچھے اور با اخلاق مالدار لوگوں سے قرض لیا جائے اور پھر آہستہ آہستہ ان کو رقم واپس کر دی جائے، لیکن اگر ایسی صورت بھی بظاہر ممکن نظر نہ آتی ہو، تو پھر چند شرائط کے ساتھ کمیٹی کے ذریعے بھی اس ضرورت کو پورا کیا جاسکتا ہے۔

وہ اس طرح کہ مسجد کو ایڈوانس میں کوئی کمیٹی نہ دینی پڑے، بلکہ پہلی کمیٹی مسجد کو ہی مل جائے، اور پہلی کمیٹی ملنے کے بعد بقیہ کمیٹیوں کی ادائیگی چندے کی مد میں جمع ہونے والی رقم سے ہر ماہ طے شدہ طریقہ کار کے مطابق کر دی جائے، تو اس طرح کمیٹی ڈال کر مسجد کے لیے پہلی کمیٹی لینا مسجد کا کسی دوسرے کو قرض دینا نہیں کہلائے گا، بلکہ مسجد کے لیے چند اشخاص (کمیٹی ممبران) سے قرض لینا قرار پائے گا، اور ہاں اس صورت میں بھی پہلے اس بات پر غور کر لیا جائے کہ مسجد کے پاس ایسے ذرائع بھی موجود ہیں یا اتنا چندہ جمع ہو جاتا ہے کہ جس سے دیگر اخراجات کے ساتھ ساتھ ہر ماہ کمیٹی کی قسط بھی آسانی سے جمع کروائی جاسکے گی، تو ٹھیک ورنہ ضرور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ انتظامیہ کے لیے مشکل ہو سکتا ہے۔

یاد رہے! مذکورہ بالا حکم اسی صورت میں ہے کہ جب مسجد کو پہلی کمیٹی ہی ملے اور پہلی کمیٹی میں مسجد کو کسی قسم کی رقم ادا نہ کرنی پڑے، کیونکہ اس طرح یہ کمیٹی کی صورت میں مسجد کے لیے قرض لینا کہلائے گا، جس کی ادائیگی بعد میں ماہانہ بنیادوں پر کمیٹی کی قسط کی صورت میں ہوگی، لیکن اگر دیگر کمیٹیوں کی طرح پہلی کمیٹی میں مسجد کے پیسے بھی شامل کیے گئے اور یہ کمیٹی کسی اور ممبر کو دے دی گئی اور مسجد کو درمیان کی یا پہلی سے بعد والی کوئی بھی کمیٹی دی گئی، تو ایسا کرنا

جائز نہیں، کیونکہ اب مسجد کی طرف سے جو اَقساط کمیٹی نکلنے سے پہلے ادا ہوں گی، وہ قرض ہوں گی اور مسجد کا چندہ کسی کو قرض دینا، جائز نہیں۔

مسجد یا کسی موقوفہ جگہ کو پیسوں کی حاجت ہو، تو قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل کے متعلق در مختار میں ہے: "لا تجوز الاستدانة علی الوقف الا اذا احتیج الیھا لمصلحة الوقف کتعمیر وشراء بذر فیجوز بشرطین، الاول: اذن القاضی فلو ببعد منه یستدین بنفسه، الثانی: ان لا تتیسر اجارة العین والصرف من اجرتھا والاستدانة القرض والشراء نسیئة" ترجمہ: متولی کے لیے جائز نہیں کہ وقف کے لیے قرض لے، البتہ اگر وقف کی مصلحت کے لیے قرض کی حاجت ہو، جیسے وقف کی تعمیر یا موقوفہ زمین میں کاشت کے لیے بیج خریدنا ہو، تو ایسی صورت میں دو شرطوں کے ساتھ متولی کے لیے قرض لینا جائز ہے۔ پہلی شرط: قاضی کی اجازت سے قرض لیا جائے۔ اگر قاضی دُور ہو، تو متولی از خود قرض لے سکتا ہے۔ **دوسری شرط:** عینِ وقف کو اجارہ پر دینا اور اس کی اجرت سے خرچ کرنا، آسان نہ ہو۔ اور استدانت سے مراد قرض لینا اور اُدھار خریدنا ہے۔[1]

مذکورہ عبارت کے تحت ردالمحتار میں ہے: "وھو المختار انه اذا لم یکن من الاستدانة بدّ تجوز بامر القاضی ان لم یکن بعیدا عنه۔۔۔ اما ما له منه بدّ کالصرف علی المستحقین فلا کما فی القنیة الا الامام والخطیب والمؤذن فیما یظھر لقوله فی جامع الفصولین لضرورة مصالح المسجد، والا الحصیر والزیت بناء علی القول بانھما من المصالح وھو الراجح، ھذا خلاصة

---

1 ...(ردالمحتارعلي الدرمختار، کتاب الوقف، جلد 6، صفحہ 673-674، مطبوعہ کوئٹہ)

ماطال فی البحر“یعنی(وقف کے لیے قرض لینے کے حوالے سے یہی مختار مذہب ہے) کہ اگر قرض لینا ضروری ہو،تو قاضی کی اجازت سے ہو،جبکہ قاضی دُور نہ ہو،لیکن اگر قرض لینا ضروری نہ ہو، جیسے مستحقین پر خرچ کرنے کے لیے قرض لینا تو یہ جائز نہیں،جیسا کہ قنیہ میں ہے،مگر امام،خطیب اور مؤذن پر خرچ کرنے کے لیے قرض لینا جائز ہے،جیسا کہ جامع الفصولین کے قول سے ظاہر ہے،کیونکہ اس میں مسجد کی مصلحت ہے اور مسجد کی چٹائی اور تیل کے لیے قرض لینا بھی جائز ہے،اس قول کی بناء پر کہ یہ مَصالِح مسجد میں سے ہیں اور یہی راجح ہے،یہ بحر کی طویل بحث کا خلاصہ ہے،ملخصاً۔[1]

یادرہے! مذکورہ صورت میں مسجد کے لیے قرض حاصل کرنے میں یہ بھی ضروری ہے کہ مسجد و فنائے مسجد کے علاوہ،مسجد کے لیے وقف کی کوئی ایسی چیز موجود نہ ہو جس کو کرایہ پر دے کر مسجد کی حاجت کو پورا کیا جا سکتا ہو،اگر کوئی ایسی چیز موجود ہو،تو ایسی صورت میں مسجد کے لیے قرض لینے کی اجازت نہیں ہو گی۔چنانچہ امام اہل سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ:”تعمیر مدرسہ کے واسطے بمشورہ مسلمین قرض لینا رَوا یا نارَوا؟“تو اس کے جواب میں امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:”متولی کو وقف پر قرض لینے کی دو شرط سے اجازت ہے،**ایک** یہ کہ امر ضروری و مصالحِ لابدی وقف کے لئے باذنِ قاضی شرع قرض لے،اگر وہاں قاضی نہ ہو،خود لے سکتا ہے۔**دوسرا** یہ کہ وہ حاجت سوائے قرض اور کسی سہل طریقہ سے پوری نہ ہوتی ہو،مثلاً:وقف کا کوئی ٹکڑا اجارہ پر دے کر کام نکال لینا۔“[2]

1...(ردالمحتار علی الدرمختار،کتاب الوقف،جلد6،صفحہ673-674،مطبوعہ کوئٹہ)

2...(فتاوی رضویہ،جلد16،صفحہ569تا571،مطبوعہ رضافاؤنڈیشن،لاھور)

بہار شریعت میں ہے: ”ضرورت کے وقت مثلاً: وقف کی عمارت میں صَرف کرنا ہے اور صَرف نہ کریں گے، تو نقصان ہو گا یا کھیت بونے کا وقت ہے اور وقف کے پاس نہ روپیہ ہے نہ بیج اور کھیت نہ بوئیں، تو آمدنی ہی نہ ہو گی، ایسے اوقات میں وقف کی طرف سے قرض لینا جائز ہے، مگر اس کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ قاضی کی اجازت سے ہو۔ دوم یہ کہ وقف کی چیز کو کرایہ پر دے کر کرایہ سے ضرورت کو پورا نہ کرسکتے ہوں۔ اور اگر قاضی وہاں موجود نہیں ہے، دُوری پر ہے، تو خود بھی قرض لے سکتا ہے، خواہ روپیہ قرض لے یا ضرورت کی کوئی چیز اُدھار لے، دونوں طرح جائز ہے۔“[1]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح	کتبـــہ
مفتی محمد قاسم عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
	04 ذو الحجۃ 1445ھ/11 جون 2024ء

فتویٰ 24:

کمیٹی میں جمع کروائی جانے والی رقم پر زکوۃ کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی نے کمیٹی ڈالی ہو، جس میں وہ ہر مہینے رقم دیتا ہے اور ایک مقررہ وقت پر وہ کمیٹی نکلے گی، تو جو رقم کمیٹی میں جمع ہو رہی ہے، کیا اس پر زکوۃ ہو گی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

1...(بہار شریعت، جلد2، حصہ 10، صفحہ 544، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

پوچھی گئی صورت میں اگر یہ شخص کمیٹی میں جمع کرائی گئی رقم کے علاوہ پہلے سے صاحب نصاب ہے یا پہلے سے صاحب نصاب نہیں لیکن جتنی رقم کمیٹی میں جمع کروادی ہے، وہ رقم نصاب جتنی ہے یا دوسرے مالِ زکوۃ کے ساتھ مل کر نصاب تک پہنچ جاتی ہے، تو نصاب پر سال پورا ہونے و دیگر شرائط کے پائے جانے کی صورت میں زکوۃ فرض ہو جائے گی اور سال بَسال واجب ہوتی رہے گی۔

امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت، الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا جو پیسہ بینک یا ڈاکخانے میں جمع ہو، کیا اس پر زکوۃ ہوتی ہے؟ اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں: "روپیہ کہیں جمع ہو کسی کے پاس امانت ہو، مطلقاً اس پر زکوۃ واجب ہے۔"[1]

کمیٹی میں دی ہوئی رقم چونکہ قرض ہوتی ہے، لہٰذا اس رقم پر زکوۃ واجب الاداء اُس وقت ہے، جب تمام رقم وصول ہو جائے یا کم از کم نصاب کے پانچویں حصے کے برابر وصول ہو جائے۔ تمام رقم وصول ہونے کی صورت میں گزشتہ سالوں کی زکوۃ کا حساب لگا کر تمام رقم کی زکوۃ ادا کرنی ہو گی اور نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہونے پر اسی قدر کی زکوۃ لازم ہو گی۔ لیکن آسانی اسی میں ہے کہ اس رقم کی زکوۃ سال بہ سال ادا کرتے رہیں تاکہ کمیٹی وصول ہونے پر گزشتہ سالوں کے حساب کتاب کی الجھن سے اور تمام سالوں کے ایک ساتھ زکوۃ کی ادائیگی کی دقت سے نجات رہے۔

بہارِ شریعت میں ہے: "دَینِ قوی کی زکاۃ بحالتِ دَین ہی سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی، مگر واجب الادا اُس وقت ہے، جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے، مگر جتنا وصول ہوا

---

1 ...(فتاویٰ رضویہ، جلد 10، صفحہ 141، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، لاھور)

اتنے ہی کی واجب الادا ہے، یعنی چالیس درم وصول ہونے سے ایک درم دینا واجب ہوگا اور اسّی (80) وصول ہوئے، تو دو، وعلٰی ہذا القیاس۔"[1]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــہ

مفتی محمد سجاد عطاری مدنی

02محرم الحرام1443ھ/01اگست2022ء

فتویٰ 25:

کمیٹی کی رقم سے جعلی نوٹ نکلا تو ذمہ دار کون؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کمیٹی کی رقم کمیٹی ممبر کو دی گئی، چند دن بعد اس نے دعویٰ کیا کہ رقم میں سے ایک نوٹ جعلی نکلا ہے، اب معلوم نہیں کہ وہ نوٹ کس نے دیا ہے؟ تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ کیا کمیٹی ایڈمن پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی؟ یا تمام کمیٹی ممبران کے ذمہ تاوان ہوگا؟

یادرہے! یہ بات پہلے سے طے شدہ ہے کہ جس کمیٹی ممبر کا نام نکلے گا، وہ رقم وصول کرتے ہوئے رقم کی مکمل تسلی کرے گا، رقم لے کر جانے سے پہلے نوٹوں کی مکمل گنتی کرے گا اور یہ بھی چیک کرے گا کہ کوئی نوٹ جعلی تو نہیں ہے، بعد میں کمیٹی ایڈمن یا دیگر ممبران کسی چیز کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

1...(بہارِ شریعت، جلد1، حصہ5، صفحہ906، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

پوچھی گئی صورت میں اگر واقعی رقم پر قبضہ کرنے والے نے موقع پر رقم کے حوالے سے کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ برضا و خوشی تمام رقم وصول کر کے چلا گیا، تو جعلی نوٹ کی ذمہ داری اسی پر عائد ہو گی، کمیٹی ایڈمن یا دیگر ممبران کسی چیز کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔

مسئلہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ قوانینِ شریعت کی رو سے مال پر قبضہ کرنے والے پر لازم ہوتا ہے کہ وہ قبضہ کے وقت مال کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لے اور اس کے عمدہ و ردی اور اصلی و نقلی ہونے کو اچھی طرح دیکھ لے اور جب اس نے قبضہ کرتے وقت یا قبضہ کے بعد جانچ پڑتال کر لی یا سرے سے ہی اس نے جانچ پڑتال نہ کی اور بعد میں مال کی کمی بیشی یا بعض نوٹوں کے جعلی ہونے کا دعویٰ کیا، تو اس کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا اور رقم دینے والا کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہو گا اور پوچھی گئی صورت میں جس شخص کی کمیٹی نکلی اس نے برضا و خوشی رقم پر قبضہ کیا اور قبضہ کے وقت کوئی اعتراض بھی نہ کیا کہ اس میں فلاں نوٹ جعلی ہے وغیرہ، تو چند دن بعد اس کا جعلی نوٹ کا دعویٰ کرنا، ہرگز معتبر نہیں ہو گا، کیونکہ یہ دعویٰ اس کے اپنے فعل کے خلاف ہے، وہ یوں کہ پہلے اس کا بغیر کسی اعتراض کے رقم کو قبول کرنا گویا کہ تمام رقم کے صحیح و درست ہونے کا اقرار کرنا تھا اور اقرار کے بعد دوبارہ جعلی نوٹ ہونے کا دعویٰ ہرگز قبول نہیں کیا جاتا، لہٰذا اسے جعلی نوٹ کے بدلے درست نوٹ دینا، ایڈمن یا کسی بھی ممبر پر لازم نہیں۔

نوٹ: یاد رہے! مذکورہ بالا حکم سوال میں ذکر کردہ خاص صورت کے متعلق بیان کیا گیا ہے، البتہ اگر اس کے علاوہ کوئی اور صورت در پیش ہو، تو دارالافتاء اہلسنت سے یا کسی صحیح العقیدہ مفتی صاحب کو بتا کر اس کی شرعی رہنمائی لے لی جائے۔

عمدہ دراہم پر قبضہ کرنے یا اپنا پورا حق وصول کرنے کے بعد، دراہم کے کھوٹے ہونے

کا دعوی کیا، تو تصدیق نہ ہو گی، جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ”إذا أقر أنه قبض الجياد أو حقه أو الثمن أو استوفى لإقراره بقبض الجياد صريحا أو دلالة فلا يصدق“ ترجمہ: جب کسی نے کھرے دراہم پر قبضہ کرنے، اپنا حق حاصل کرنے، ثمن پر قبضہ کرنے یا پھر اپنا حق پورا پورا وصول کرنے کا اقرار کرلیا، تو صراحتاً یا دلالۃً عمدہ دراہم پر قبضے کے اقرار کی وجہ سے بعد میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اس کے تحت عنایہ شرح ہدایہ میں ہے: ”قال صاحب النهاية: جمع بين هذه المسائل الأربع في الجواب بأنه لا يصدق وليس الحكم فيها على السواء، فإنه إذا أقر أنه قبض الدراهم الجياد ثم ادعى أنها زيوف فإنه لا يصدق لا مفصولا ولا موصولا، وفيما بقي لا يصدق مفصولا ولكن يصدق موصولا“ ترجمہ: صاحب نہایہ نے فرمایا کہ مصنف نے ان چار مسائل کو ایک ہی جواب (لا یصدق) میں جمع کر دیا کہ ان مسائل میں تصدیق نہیں کی جائے گی، حالانکہ ان مسائل میں حکم برابر نہیں ہے، اس میں تفصیل یہ ہے کہ جب کسی نے عمدہ (کھرے) دراہم پر قبضہ کرنے کا اقرار کر لیا، پھر ناقص (کھوٹے) ہونے کا دعوی کیا، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، خواہ فوری دعوی کرے یا کچھ دیر بعد کرے، اور اس کے علاوہ بقیہ مسائل میں فوری دعوی کرنے والی صورت میں تو تصدیق کی جائے گی، لیکن فاصلے پر (یعنی کچھ دیر بعد) دعوی کرنے کی صورت میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔[1]

اور صورتِ مسئولہ میں تصدیق نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دعوی کرنے والا مناقض (اپنے قول کے خلاف کا دعوی کرنے والا) ہے اور مناقض کا قول معتبر نہیں، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: ”

1...(العناية شرح الهداية، جلد 7، صفحہ 331، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

فصار جواب المسألة أن القابض متی أقر بقبض الحق ثم ادعی أنه زیوف لم یصدق لانه ناقض کلامه، لان إقراره بقبض الحق إقرار بقبض الجیاد، فإذا قال بعد ذلک هو زیوف أو بعضه فقد ناقض کلامه والمناقض لم یقبل قوله ولا بینته" ترجمہ: پس مسئلہ کا جواب یہ ہوا کہ قبضہ کرنے والے نے جب کسی حق کے قبضہ کا اقرار کیا، پھر دعویٰ کیا کہ وہ سکے کھوٹے ہیں، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، (کیونکہ وہ اپنی ہی بات کے خلاف کرنے والا ہے)، وہ یوں کہ پہلے اس کا اپنے حق پر قبضہ کرنے کے ذریعے عمدہ سکوں کے قبضہ کا اقرار کرنا ہے، پھر اس کے بعد جب اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ سارے یا بعض سکے کھوٹے ہیں، تو وہ اپنی بات کا خلاف کر رہا ہے (اور اصولِ شرع کے مطابق) جو شخص اپنی بات کا خلاف کرے، تو اس کا نہ تو قول قبول ہو گا اور نہ ہی اس کی گواہی قبول ہو گی۔[1]

یونہی "مبسوط للسرخسی" میں ہے: "لو قال: استوفیت أجر الدار، ثم قال: وجدته زیوفا لم یصدق ببینة ولا غیرها، لأنه قد سبق منه الاقرار بقبض الجیاد فإن أجر الدار من الجیاد فیکون هو مناقضا فی قوله وجدته زیوفا والمناقض لا قول له ولا تقبل بینته" ترجمہ: اگر (مؤاجر نے) کہا: میں نے گھر کی اجرت وصول کر لی ہے، پھر بعد میں کہا کہ میں نے اسے کھوٹا پایا ہے، تو اس صورت میں گواہوں اور اس کے علاوہ کسی دوسری دلیل سے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، کیونکہ صحیح رقم پر قبضہ کرنے کا اقرار پہلے سے ہو چکا، وہ یوں کہ گھر کی اجرت عمدہ رقم سے ہی ادا کی جاتی ہے، لہٰذا اس کا یہ دعویٰ کہ "یہ کھوٹے ہیں" اس کی اپنی بات کے مخالف ہے اور جو شخص اپنی بات کی مخالفت کرے، اس کا نہ ہی قول قبول ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف سے گواہ قبول

1...(ردالمحتار، جلد11، صفحہ30، مطبوعہ کوئٹہ)

ہوتے ہیں۔[1]

قبضہ کرتے وقت کوئی اعتراض نہ تھا، مگر بعد میں جعلی نوٹ کا دعوی کیا، تو یہ دعویٰ مسموع نہیں ہوگا اور اس کا ذمہ بھی قبضہ کرنے والے پر ہی ہوگا، جیساکہ مجمع الضمانات میں ہے: ”وإن قال: قبضت حقی أو الدين الذي لي عليه وهو ألف ثم قال: وجدتها زيوفا لا يصدق إلا إذا وصل“ ترجمہ: اور اگر اس نے کہا کہ میں نے اپنے حق یا اس دین پر قبضہ کرلیا ہے، جو میرا اس پر تھا اور وہ ایک ہزار (سکے) ہیں، پھر اس نے کہا کہ: میں نے ان کو کھوٹا پایا، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، مگر جبکہ علی الفور یہ بات کہے، (تو قبول کرلی جائے گی)۔[2]

فتاوی عالمگیری میں ہے: ”إذا أقر بقبض رأس مال السلم، ثم ادعى أنها زيوف إن كان أقر بقبض الجياد أو أقر بقبض حقه۔۔۔ لا يقبل قوله إنها كانت زيوفا“ جب کسی نے بیع سلم کے مال پر اقرار کرلیا، پھر اس کے ناقص ہونے کا دعوی کردیا، اس طرح کہ کسی نے کھرے دراہم پر قبضہ کرنے یا اپنا حق حاصل کرنے کے بعد دعوی کیا۔۔۔ تو اس کے کھوٹے ہونے کا دعوی قبول نہیں کیا جائے گا۔[3]

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
18 ذیقعدہ 1445ھ/27 مئی 2024ء

1۔۔۔(المبسوط للسرخسی، کتاب الاجارۃ، جلد 15، صفحہ 141، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت)
2۔۔۔(مجمع الضمانات، جلد 1، صفحہ 372، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی)
3۔۔۔(الفتاوی الھندیۃ، جلد 4، صفحہ 190، مطبوعہ کوئٹہ)

فتویٰ 26:

رقم کے بدلے کسی اور کو اپنی کمیٹی دینا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں جو کمیٹیاں ڈالی جاتی ہیں، ان میں بعض دفعہ یوں بھی ہو جاتا ہے کہ کسی ممبر کو رقم کی اشد ضرورت ہوتی ہے، جبکہ کمیٹی کسی اور کی نکلی ہوتی ہے یا اس کی کمیٹی کا مقررہ وقت کچھ مہینوں بعد کا طے ہوتا ہے تو یہ شخص جس کی کمیٹی نکلی ہے، اس سے کہتا ہے کہ آپ اپنی کمیٹی کی رقم مجھے دے دیں اور جب میری کمیٹی نکلے گی، تو میں آپ کو رقم واپس کر دوں گا، اگر تو وہ راضی ہو جائے، تو ٹھیک، ورنہ پھر یہ کہہ دیتا ہے کہ جب میں آپ کی یہ رقم واپس کروں گا، تو ساتھ میں کچھ اضافی رقم یا فلاں چیز بھی دوں گا، فرض کرلیں کمیٹی دس لاکھ کی ہے، تو وہ کہہ دیتا ہے کہ میں دس لاکھ پچاس ہزار دوں گا یا دس لاکھ کے ساتھ فلاں قیمت کا موبائل بھی ساتھ دوں گا، تو اب پوچھنا یہ ہے کہ ان دونوں ممبران کا اس طرح اضافی رقم یا کسی چیز کے بدلے کمیٹی لینے کا ایگریمنٹ کرنا کیسا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

بیان کردہ طریقہ کار کے مطابق کمیٹی کی رقم کا اضافی رقم یا کسی اور اضافی چیز کے بدلے لین دین کرنا ناجائز و گناہ اور حرام ہے، کیونکہ مخصوص مدت کے لیے اپنی رقم کسی کو دینا قرض ہے اور قرض میں مشروط نفع خواہ رقم کی شکل میں ہو یا کسی اور صورت میں، سود کہلاتا ہے اور مذکورہ صورت میں ضرورت مند شخص کو اپنی کمیٹی کی رقم دینا قرض ہے اور اس میں اضافی رقم یا کسی اضافی چیز کی شرط لگانا قرض پر نفع لینا ہے، جو کہ سود ہے اور سود سخت ناجائز و گناہ اور حرام ہے،

قرآن وحدیث میں اس کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ایک دوسرے کی بھلائی چاہنا اور خیر خواہی کرنا دینِ اسلام کی تعلیمات کا سنہری باب ہے، ایک اچھا مسلمان وہی ہوتا ہے جو اپنے لئے پسند کرے، وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند کرے، حدیثِ پاک میں فرمایا کہ بندہ جب تک اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی میں لگا رہتاہے، اللہ پاک اس کی حاجات پوری فرماتا رہتاہے، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ خیر خواہی و ہمدردی کرتے ہوئے مشکل گھڑی میں حتی المقدور ان کی حاجت روائی کی کوشش کرے اور کمیٹی ممبران میں جس سے ہو سکے اپنے بھائی کی حاجت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے بے لوث، بغیر نفع کے اپنی کمیٹی دے کر اجر و ثواب کا حقدار بنے، کیونکہ یہ ایک ثواب کا کام ہے، جس کا اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

سود کی حرمت بیان کرتے ہوئے اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمہ کنزالعرفان: ”اور اللہ نے حلال کیا بیع اور حرام کیا سود۔“[1]

صحیح المسلم میں ہے: ”عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اٰکلَ الربا و موکلَہ و کاتبَہ و شاھدیہ“ ترجمہ: حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سود لکھنے والے اور سود کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے۔[2]

قرض پر مشروط نفع سود ہے، چنانچہ مولی المسلمین، مولی مشکل کشا، علی المرتضی، شیر خدا

1...(پارہ 3، سورۃ البقرہ، آیت 275)

2...(الصحیح لمسلم، کتاب البیوع، باب الربا، جلد 2، صفحہ 27، مطبوعہ کراچی)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ والہ وسلم نے فرمایا:”کل قرض جر منفعة فهو ربا“ترجمہ: ہر وہ قرض جو نفع لائے، سود ہے۔(1)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاوی رضویہ میں قرض پر نفع کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:”قطعی سود اور یقینی حرام و گناہِ کبیرہ و خبیث و مردار ہے۔“(2)

اور مزید ایک مقام پر مشروط نفع کے ساتھ قرض لینے، دینے والے کے متعلق فرماتے ہیں:”اگر قرض دینے میں یہ شرط ہوئی تھی، تو بے شک سود و حرامِ قطعی و گناہِ کبیرہ ہے۔ ایسا قرض دینے والا ملعون اور لینے والا بھی اسی کے مثل ملعون ہے۔“(3)

مسلمان بھائی کی حاجت روائی کی فضیلت کے متعلق حدیثِ پاک میں ہے:”واللہ في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه“ترجمہ: اور اللہ پاک اس وقت تک بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔(4)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو الفیضان عرفان احمد مدنی

28ذیقعدہ1445ھ/06جون2024ء

الجواب صحیح

مفتی محمد قاسم عطاری

1۔۔۔(مسند الحارث، جلد1، صفحہ500، مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ، المدینۃ المنورۃ)

2۔۔۔(فتاویٰ رضویہ، جلد17، صفحہ269، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، لاھور)

3۔۔۔(فتاویٰ رضویہ، جلد17، صفحہ278، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، لاھور)

4۔۔۔(صحیح المسلم، کتاب الذکر والدعا، جلد4، صفحہ2074، مطبوعہ بیروت)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

”حدیث پاک“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:”أطب مطعمك تكن مستجاب الدعوة، والذي نفس محمد بيده، إن العبد ليقذف اللقمة الحرام في جوفه ما يتقبل منه عمل أربعين يوما، وأيما عبد نبت لحمه من السحت والربا فالنار أولى به“ترجمہ: اپنی خوراک پاک کرو۔ ”مستجاب الدعوات“(جس کی ہر دعا قبول ہوتی ہے، ایسا شخص) بن جاؤ گے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، آدمی اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ ڈالتا ہے، تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا اور جس بندے کا گوشت سود اور حرام خوری سے اُگا ہو، اس کے لئے آگ زیادہ بہتر ہے۔

(معجم الاوسط، جلد 6، صفحہ 310، مطبوعہ دار الحرمین، القاهرة)

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی

UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278

www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net

feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net